جلد ۱۲ | ستمبر ۱۹۶۶ء | شمارہ ۳

ماہنامہ

میثاق

لاہور

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر مسئول

اسرار احمد

★

یکے از مطبوعات

دارالاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر ۔ لاہور۔ ۱

قیمت فی پرچہ، ساٹھ پیسے
سالانہ: چھ روپے (پندرہ شلنگ)

آپ کے خطوط سے

★

''......تازہ میثاق ملا ۔ آپ کی کتاب ''تحریک جماعت اسلامی'' کا مطالعہ کرنے کی کیا سبیل ہو؟ ممکن ہو تو ایک نسخہ بھجوائیں ۔ فاران کے تبصرہ کے بعد معلوم ہوا کہ کتاب جاندار ہے ......''

(مولانا) جلیل احسن ندوی
جامعة الفلاح ، بلریا گنج ، اعظم گڑھ ، انڈیا

★

''...... آپ کی معرکۃالآرا ، وقیع اور تحقیقی تصنیف ''تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ'' نظر سے گذری ...... کتاب وقت کی ایک متحرک ، جامع اور تاریخ تحریک سے متعلق ہے لہذا ظاہر ہے کہ بہت دلچسپی اور شوق سے پڑھی جائے گی...... علماء کے علاوہ خواص نے بھی اسے بالاستیعاب از ابتدا تا انتہا بہت ہی شوق سے پڑھا اور پڑھنے کے بعد بہت اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا خصوصاً اس بات پر کہ آپ نے با ضابطہ جماعت میں اتنی کم مدت رہنے کے باوجود اور اس نو عمری میں ان حقائق و کوائف کا ادراک کیا اور پھر ایسے سلیس و متین پیرائے میں اور اس قدر مرتب اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش بھی کر دیا ...... بہرکیف آپ امت کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں ......

دل سے دعا نکلتی ہے کہ کاش جماعت جن مقاصد کے لیے قائم ہوئی تھی اور جن کا اس نے اپنے دور اول میں کسی حد تک عملی مظاہرہ بھی کیا اپنی بنیادی خامیوں کی اصلاح کے بعد پھر اسی کا عملی نمونہ پیش کرے ۔ نہیں معلوم کتنے مضطرب قلوب اس کے منتظر ہیں! .... محترمی! ہمارے قلوب پژ مردہ ہو چکے ہیں ، ہماری مایوسی انتہا کو پہنچ چکی ہے ، ہم بہت ٹھوکریں کھائے ہوئے ، مخدوع اور زخم خوردہ ہیں ...... اے اللہ ہمارے زخموں کی مرہم پٹی کے لیے کسی کو بھیج جو ہمیں ہر لحاظ سے ایسا بنا دے کہ ہم اسلام کے عملی ترجمان بن کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں! ....

مکرمی! آپ نے تحریک کے دور ثانی میں بتدریج رونما ہونے والے جن نقائص و عیوب کا تذکرہ فرمایا ہے میرے خیال ہی میں نہیں بلکہ ہر منصف مزاج شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ بالکل بدیہی امر ہے اور خود جماعت کے ارباب حل و عقد اور اصحاب فکر و نظر کو بھی اس کا پورا احساس ہے لیکن اصلاح کے لیے جس ہمت مرداں و جرأت رنداں کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے ...... وہاں تو لومۃ لائم سے بڑھ کر یہ احساس سد راہ ہے کہ ہم اپنے طویل سفر پر کس طرح پانی پھیر سکتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان زخارف سے لا پرواہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔ نہیں معلوم کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد آپ کن ''مشکلات'' اور ''نوازشات'' سے دو چار ہوں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے ، آپ سے کوئی ٹھوس اور محکم خدمت لے اور اس راہ کے تمام موانع و عوارض کو دور فرمائے ......''

'.......'
(Academy
Islamic Research & Publications,
Nadwatul Ulama,
LUCKNOW)

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْن

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بابت ماہِ ستمبر ۱۹۶۶ء

مطابق جمادی الاول ۱۳۸۶ھ

جلد ——— ۱۲

شمارہ ——— ۳

فہرست

تذکرہ و تبصرہ ——— اسرار احمد ۲

تدبر قرآن ———

تفسیر سورۂ آل عمران (۹) مولانا امین احسن اصلاحی ۹

مقالات ———

زکوٰۃ (۲) جناب خالد مسعود ۲۹

تحریک جماعت اسلامی (۲) ———

نقصِ غزل (۲) اسرار احمد ۴۳

کور کے اندرونی صفحات ۲، ۳

"آپ کے خطوط سے"

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہو رہا ہے۔ آئندہ کے لیے ۔

* سالانہ زرمبادلہ مبلغ چھ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں۔ یا
* اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ——— ورنہ
* آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصول ڈاک کی مالیت کا وی۔پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

ترسیلِ زر ——— اور جملہ خط کتابت کا پتہ } دارالاشاعت الاسلامیہ بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر ــ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

اس ماہ پاکستان کے متعدد اہم ماہناموں میں "تحریک جماعتِ اسلامی" پر مفصل تبصرے شائع ہوئے ہیں۔

ان میں سے ماہنامہ "فکر و نظر" راولپنڈی میں شائع شدہ تبصرہ در اصل کتاب کا مکمل تعارف اور اس کی جامع تلخیص ہے۔ کتاب میں جو موضوعات اور مسائل زیر بحث آئے ہیں، ان کے علاوہ صرف ایک مسئلے پر تبصرہ نگار نے اظہار رائے کیا ہے ــــ یعنی یہ کہ

"راقم الحروف (تبصرہ نگار) کے نزدیک مولانا مودودی اور بعض ان حضرات کے درمیان جنہوں نے بقول مصنف "جماعت اسلامی کے تصورِ دین اور تحریک اسلامی کے خطوط اور نقوش مرتب کرنے میں اہم حصہ ادا کیا" بعد میں جو شدید اختلافات رونما ہوئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جب جماعت اسلامی ایک اصولی دینی جماعت کے بجائے جس کے پیش نظر دین حق کے اصول و مبادی کی نشر و اشاعت اور ان کے مطابق علمی و ذہنی فضا پیدا کرنی تھی، عملی سیاست میں آگئی تو اس سوال کا اٹھنا بالکل فطری تھا کہ اس میں آخری فیصلہ کن قوت مولانا مودودی ہوں یا جماعت، اور چونکہ اس ضمن میں جماعت اسلامی کا بنیادی نقطہ نظر اس دور کی اکثر دینی جماعتوں کی طرح شروع ہی سے جمہوری کے بجائے تحکمی رہا تھا۔ اس لئے قدرتاً جماعت پر امیر کی شخصیت غالب آئی اور جماعت کے سربرآوردہ ارکان کو اس سے نکلنا پڑا۔

ہمارے ہاں کی اکثر بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں تمام تر دینی جماعتوں میں یہ بات من جملہ اصول موضوعہ کے مانی جاتی ہے کہ جب ایک دفعہ جماعت کا امیر منتخب کر لیا جائے تو وہ تاحین حیات امیر رہے گا اور جماعتی فیصلہ میں خواہ وہ قرآن و سنت کی تعبیر کے بارے میں ہوں ــــ یا دوسرے انتظامی شعبوں کے متعلق ــــــــ امیر جماعت کی رائے کو دوسرے ارکان کی آراء پر لازماً فوقیت حاصل ہوگی۔ یہ نقطہ نظر صحیح ہے یا غیر صحیح، ہمیں اس سے بحث نہیں

لیکن ہمیں یہاں صرف اس کا اثبات کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ ہماری دینی جماعتوں کے لیے اس بنیادی نقطۂ نظر کے ساتھ جمہوریت، جمہوری اصولوں اور جمہور کے اقتدارِ اعلیٰ کے اُصول کو اپنانا قریب قریب ناممکن ہے ...... ہمارے نزدیک ۱۹۵۷ء کے اواخر میں جماعت اسلامی میں جو داخلی انقلاب ہوا، وہ اس بنیادی نقطۂ نظر کا حتمی نتیجہ تھا۔"

اس مسئلے پر ہم گذشتہ اشاعت کے 'تذکرہ وتبصرہ' میں مختصر بحث کر چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ انتہائی اہم ہے کہ 'اقامت دین' کے لیے سعی وجہد کرنے والی جماعت کا اپنا تنظیمی ڈھانچہ کیا ہو اور اس میں 'مناصب' اور ان کے 'اختیارات'، اور ان میں ضروری احتیاط وتوازن (CHECKS AND BALANCES) کے لیے کیا صورتیں اختیار کی جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت اسلامی کے المیے میں اس صورتِ حال کو بہت کافی دخل ہے کہ اس پر ایک فرد کی شخصیت نہ صرف ذہنی وفکری طور پر، بلکہ اختیارات کے ارتکاز کے اعتبار سے بھی پوری طرح مسلط اور محیط ہے ــــ آئندہ جو لوگ بھی اس فریضے کی انجام دہی کے لئے کسی منظم اجتماعی جد وجہد کو لے کر اٹھنا چاہیں ان کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ پہلے ہی اس مسئلے پر اچھی طرح غور وفکر کرلیں۔

ماہنامہ "فاران" کراچی اور ماہنامہ "الرحیم" حیدرآباد کے مفصّل تبصرے ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو انتہائی نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے نزدیک ہماری رائے جماعت اسلامی کے دورِ اول کے بارے میں صحیح ہے جب کہ دورِ ثانی کے بارے میں ہم 'غلط فہمی' میں مبتلا ہیں۔ دوسرے کے نزدیک دورِ ثانی کے بارے میں ہمارا تجزیہ بالکل صحیح ہے لیکن دورِ اول کے بارے میں ہم محض "حسنِ ظن" میں مبتلا ہیں۔ ماہنامہ "طلوعِ اسلام" لاہور کا تبصرہ بھی اسی مؤخر الذکر رائے پر مبنی ہے ــــ ــــ آج کی صحبت میں ہم معاصر "فاران" کراچی کے تبصرے کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں

مدیر "فاران"، مولانا ماہر القادری ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو بجا طور پر جماعت اسلامی کے "سرپرست" کہا گیا ہے۔ یعنی وہ حضرات جو نہ کبھی جماعت میں داخل ہوئے اور نہ ہی کبھی جماعت کی کسی سرگرمی میں انہوں نے عملاً کوئی حصہ لیا۔ بایں ہمہ جماعت اور خصوصًا مولانا مودودی کی مدح سرائی اور ثناخوانی ان کے نزدیک بجائے خود ایک مقصد یا 'کسی' مقصد کے حصول کا ذریعہ بن گیا ہے ــــ اس ایک مسئلے سے قطع نظر ہمارے دل میں موصوف کا ہمیشہ سے احترام ہے اور

"تحریک جماعت اسلامی" پر تبصرے میں ہمیں ان سے زیادہ انصاف کی توقع تھی لیکن افسوس کہ اس تبصرے کو دیکھ کر ہمارا حسنِ ظن بری طرح مجروح ہوا۔

ماہر صاحب کے تبصرے کا اول و آخر، جماعت اسلامی کے ناقدین کی نیتوں پر ایک عمومی اظہار خیال پر مشتمل ہے۔ تقریباً نو صفحات پر پھیلی ہوئی اس مفصل تحریر کی ابتداء یوں ہوتی ہے :-

"جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے! ان ناقدین کا مقصد جماعت اسلامی کو عوام مسلمانوں میں نامقبول اور غیر ہردلعزیز بنانا ہے۔ بعض کتابوں پر وافر رقمیں خرچ کی گئی ہیں اور نہ جانے کس مصنف اور ناقد کی اس "محنت و خدمت" کی کس کس عنوان سے پذیرائی ہوئی ہے۔"

اور اختتام پر یہ ارشاد ہوا ہے کہ :-

"مولانا علی میاں کے "البعث الاسلامی" سے لے کر لائل پور کے "المنبر" اور لاہور کے "میثاق" تک میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں سے یہی سلوک کیا جارہا ہے — جب اچھے درجے کے دیندار وں میں "تحزب" کی یہ صورت پیدا ہو جائے تو بدگمان چہ رسد! ڈاکٹر اسرار احمد بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس گروہ میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جن کے دل کی سب سے بڑی تسکین جماعت اور مولانا مودودی کو صلاحیاں سنا کر ہوتی ہے اور جماعت کی مخالفت کو جنہوں نے اپنا مشن بنالیا ہے، جماعت کی ترقی کی خبر سے جن کو تکلیف اور جماعت کی پریشانی اور مصیبت کی اطلاع سے جن کو خوشی ہوتی ہے۔"

اور اگرچہ راقم الحروف کے ساتھ ماہر صاحب نے خصوصی رعایت سے کام لیا ہے — کہ

"ہمیں اللہ تعالیٰ کو ایک دن منہ دکھانا ہے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں ہم اس قسم کا سوءِ ظن اور بدگمانی نہیں رکھتے کہ صاحبِ موصوف نے جماعت اسلامی کے بعض دوسرے ناقدین کی طرح سرکار دربار میں رسوخ اور کسی قسم کی منفعت حاصل کرنے کی غرض سے یہ کتاب لکھی ہے ان کا معاملہ دوسرے مصنفین اور ناقدین سے مختلف ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کے ارکان کی اصلاح کی نیت سے یہ کتاب تصنیف کی ہے اور بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ جماعت اسلامی کے سابق اور حالیہ موقف کا جائزہ لیا ہے!"

لیکن سوال یہ ہے کہ جب آپ کو زیرِ تبصرہ کتاب کے مؤلف کی نیت پر کوئی شبہ نہیں اور آخرت کی جواب دہی کے احساس کے حوالے سے آپ اس کی نیک نیتی کی گواہی دے رہے ہیں تو آخر 'کچھ اور اصحاب' کی نیتوں کے تذکرے کی یہاں کیا ضرورت تھی ؟ کہنے والے کی زبان اور لکھنے والے کے قلم کو کون پکڑ سکتا ہے ۔ ماہر صاحب راقم الحروف کی نیت پر بھی "جلی" حملہ فرما لیتے تو کوئی اُن کا کیا کر لیتا ۔ لیکن پہلے ایک فرد کو 'مستثنیٰ' کر کے ایک گروہ کی نیت پر حملہ کرنا اور پھر چپکے سے اس فرد کو بھی اس گروہ میں شامل کر دینا ، نیت پر حملے کا ایک 'خفی' انداز ہے ــــ جو کسی اعتبار سے بھی مستحسن نہیں ٹھہرایا جا سکتا ۔

نیت پر حملے کا دوسرا 'خفی' اور قدرے جدید ہتھیار "نفسیاتی تجزیے" کا ہے ۔ ماہر صاحب نے اپنے تبصرے میں اس سے بھی بزعمِ خویش بھرپور کام لیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

"کوئی شک نہیں اس کتاب میں بعض دلیلیں بھی خاصی قوی ہیں ، جماعت کے ماضی و حال کا تجزیہ بھی بڑے سلیقہ سے کیا گیا ہے ۔ لکھنے کا انداز بھی خوب ہے ، مگر مجموعی طور پر یہ کتاب ذہن و فکر پر یہ نقوش چھوڑتی ہے کہ

(۱) لکھنے والا جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد شدید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کا ضمیر اپنی علیحدگی کو سندِ جواز دینے کیلئے بے چین ہے ، یہ کتاب لکھ کر اس نے اپنے زعم میں اس عظیم دینی تنظیم سے علیحدہ ہونے کا "جواز" تلاش کر لیا ۔

(۲) فاضل ناقد جب اسلامی جمعیتہ طلبا کے رکن تھے ، اسی وقت ان کے رفقاء نے ان کی مزاجی کیفیت معلوم کر لی تھی کہ وہ کسی تنظیم میں گمنام رکن کی حیثیت سے کام کرنا اپنی "خودی" کی توہین سمجھتے ہیں اور جس تنظیم میں بھی خود ان کی شخصیت کو خاص اہمیت نہیں دی جائے گی ، اس تنظیم سے وہ زیادہ دیر تک وابستہ نہیں رہ سکتے ۔ ان کی ذہانت اپنا اظہار اور نمود جلوہ گری چاہتی ہے ۔

(۳) صاحبِ موصوف کسی مقصد کے حصول کے لئے اس کے ایک ہی جیسے لگے بندھے "طریق کار" پر نگاہ رکھتے ہیں اور حالات کی تبدیلی کے سبب طریقِ کار کو جن مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہیں نظر انداز فرما دیتے ہیں ! اس کی تو انہیں مشق ہے کہ ہر مسئلہ کی ہندی چیندی کر کے رکھ دیں اور جہاں تک تجزیہ و گفتگو کا تعلق ہے ، تجزیہ و تشریح کا حق ادا کریں مگر مسائل کے عملاً برتنے والوں کو واقعات کی دنیا میں جن مختلف حالات سے سابقہ پڑتا ہے ، ان

شئون واحوال کے تقاضے ڈاکٹر صاحب کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں"

موصوف کی ان تین باتوں میں سے آخری کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ "کسی" کے "ذہن وفکر" پر کتاب "مجموعی طور پر" یہ نقش چھوڑ سکتی ہے لیکن جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے قطع نظر اس سے کہ بجائے خود وہ صحیح ہے یا غلط بہرحال اس کا تعلق زیر تبصرہ کتاب سے جوڑنا کسی ماورائے عقل وفہم استدلال ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ رہی پہلی بات جسے ماہر صاحب نے بڑے طمطراق سے سر فہرست درج کیا ہے تو آج کل کی سستی نفسیات کی رُو سے تو شاید یہ بہت "عالمانہ تحقیق" قرار پاتے لیکن اگر ماہر صاحب نے کتاب کو از اوّل تا آخر محض بوکھلاہٹ کے ساتھ نہ پڑھا ہوتا اور دیباچے کا پہلا فقرہ بھی وہ ذرا اطمینان کے ساتھ پڑھ لیتے تو اتنی فحش غلطی کا ارتکاب اُن سے نہ ہوتا۔ کاش اب بھی ماہر صاحب کتاب کھول کر اس کے دیباچے کا یہ پہلا جملہ ہی پڑھ لیں کہ

"پیشِ نظر تحریر دراصل ایک بیان ہے جو بحیثیت رکنِ جماعتِ اسلامی راقم الحروف نے اکتوبر ۱۹۵۷ء میں جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا"

یہ کتاب جماعت سے علیحدہ ہونے کے بعد لکھی ہی نہیں گئی کہ اس کا امکان پیدا کیا جا سکے کہ اسکے مصنف نے اس کی تصنیف سے "اپنے زعم میں اس عظیم دینی تنظیم سے علیحدہ ہونے کا جواز تلاش" کیا ہے۔ ان سطور کا راقم 'نفسیاتی تجزیے' کا بالکل منکر نہیں ہے۔ جماعت سے علیحدگی کے لئے جو استعفا اس نے تحریر کیا تھا اس کے یہ الفاظ کتاب کے صفحہ ۲۴ پر نقل ہوئے ہیں۔

"جن حالات اور کیفیات سے گزر کر میں نے جماعت کی رکنیت سے تعلق منقطع کیا ہے وہ میں نے اپنی حد تک صحیح صحیح اور صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اس کے بعد بھی کسی "نفسیاتی تجزیے" کی ضرورت ہو تو جماعت کے کسی اہلِ قلم کو ماشاء اللہ اس میں مہارتِ تامّہ حاصل ہی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ ایسے کسی تجزیے سے کوئی فائدہ ہی اٹھا سکوں"۔

لیکن آخر "نفسیاتی تجزیے" کو بھی کسی درجے میں تو معقول ہونا ہی چاہیئے!

کتاب کے نفسِ مضمون سے متعلق جو باتیں ماہر صاحب نے فرمائی ہیں ان کے بارے میں تو ہم آئندہ اشاعت میں کچھ عرض کریں گے۔ اس وقت ایک اہم مسئلے سے متعلق کچھ اظہارِ خیال کرنا ہے۔ ماہر صاحب نے جہاں یہ اعتراف کیا ہے کہ — "ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کے

ارکان کی اصلاح کی نیت سے یہ کتاب تصنیف کی ہے اور بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ جماعتِ اسلامی کے حالیہ اور سابق موقف کا جائزہ لیا ہے" ــــ اور یہ کہ ــــ " کوئی شک نہیں کہ اس کتاب میں بعض دلیلیں بھی خاصی قوی ہیں اور جماعت کے ماضی و حال کا تجزیہ بھی سلیقہ سے کیا گیا ہے" ــــ اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ــــ " یہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر دو چار ارکانِ جماعت ڈاکٹر صاحب ــــ (حروف مٹے ہوئے ہیں غالباً "کی طرح" کے الفاظ ہوں گے) جماعت سے علیحدگی اختیار کر لیں" ــــ اور کہ ــــ " جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھ کر جو نوجوان دین سے قریب ہو رہے ہیں ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ کتاب ان کو کیا عجب ہے تذبذب میں مبتلا کر دے" ــــ وہاں اس امر پہ اطمینان کا اظہار بھی کیا ہے کہ:

> "مگر ان شاء اللہ العزیز ان کی اور دوسرے ناصحین کی یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی کہ اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ جماعت اسلامی کی صفوں میں عام انتشار پیدا کر دے گا اور اس کے بیشتر ارکان "اصلاح" کے نام سرکشی اور بغاوت پر اتر آئیں گے۔ جماعت کے بارے میں بعض کسی کی بھی یہ تمنا ہے ان شاء اللہ پوری نہ ہو سکے گی"

اور جماعت کے ارکان کو ایک خواب آور لوری بھی دی ہے کہ :-

> "جہاں تک جماعتِ اسلامی کے ارکان کا تعلق ہے وہ پورے خلوص، شعور اور بے نفسی کے ساتھ جماعت سے وابستہ ہیں اور کسی تذبذب میں مبتلا نہیں ہیں ان کی غالب اکثریت نے جماعت کے پورے لٹریچر کو حرفاً حرفاً پڑھا ہے۔ آخرت کی جس جواب دہی سے بچنے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ کتاب لکھ کر دینی خیرخواہی اور احقاقِ حق کا حق ادا کیا ہے، اسی جذبہ کے تحت جماعتِ اسلامی کے ارکان بھی جماعت سے وابستہ ہیں اور ان کا مقصود بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور آخرت کی سرخروئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر جماعت کے ارکان "اقامت دین" کی تحریک سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے دینی بصیرت رکھتے ہیں اور جماعت اسلامی کے ماضی و حال سے اچھی طرح باخبر ہیں!"

ہم ماہر صاحب سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ بھی اگر دلیل کے قبیل کی کوئی چیز ہے تو کیا ہر گمراہ فرقے اور ہر غلط گروہ کی جانب سے یہ دلیل اسی قدر اطمینان اور اعتماد کے ساتھ پیش نہیں ہو سکتی؟ ــــ مرحوم جماعتِ اسلامی کا حال تو یہ رہا ہے کہ ابھی اسے قائم ہوئے تین سال بھی نہیں ہوئے

تھے کہ اس کے سربرآوردہ اراکین کی اکثریت اور کل ارکان کی قریباً ایک تہائی تعداد اس سے علیحدہ ہوگئی تھی اور اس کے بعد اس کے "سابقون الاولون" ایک ایک کرکے اس سے کٹتے چلے گئے۔ پھر ۵۶ء میں اس کے ارباب حل وعقد کا ایک بڑا گروہ اور اس کے ارکان کی ایک قابل لحاظ تعداد اس سے علیحدہ ہوگئی ــــ تاآنکہ اب ان ستر بہتر ارکان میں سے کہ جو جماعت میں اول اول شریک ہوئے تھے اب مولانا مودودی کے سوا شاید کوئی ایک دو ارکان ہی جماعت میں باقی رہ گئے ہوں ــــ اس کے برعکس جس گروہ کی ضلالت وگمراہی پر پوری امت کا اجماع ہے اور جس کے خلاف منطق اور استدلال کا پورا زور صرف کرنے کے علاوہ ایک عظیم سیاسی یورش (AGITATION) تک کی جاچکی ہے، اس کا عالم یہ ہے کہ اس کی "صفوں میں عام انتشار" تو کیا ہوتا ویسی علیحدگی بھی کبھی نہیں ہوئی جیسی جماعت اسلامی میں بار بار ہوچکی ہے، اور ان کی "نبوت" ہی نہیں "ایک خلافت" بھی بغیر کسی قابل ذکر اختلاف وانتشار کے گزر گئی ــــ

یہ مسئلہ بغلیں بجانے کا نہیں بلکہ بڑے گہرے اور دردمندانہ غور وفکر کا مستحق ہے کہ وہ کیا وجوہات اور اسباب ہیں جن کی بنا پر بہت سی دینی "جماعتیں" جن کی ابتدا بڑے نیک ارادوں کے ساتھ ہوئی اور جن کی جانب امت کے مخلص اور دردمند لوگوں کی ایک بڑی تعداد کھنچ کر جمع ہوئی وہ رفتہ رفتہ ایسے "فرقوں" کی شکل اختیار کر گئیں۔ جن میں بالآخر "افراد" ہی حق وباطل کا تنہا معیار اور صحیح وغلط کی واحد کسوٹی بن گئے اور ان کی جرأتیں اس حد تک بڑھ گئیں کہ اپنی اپنی ہمت و وسعت کے مطابق ظلی وبروزی نبوت کے فلسفے تراش کر خود نبی بن بیٹھے یا "دین میں حکمت عملی" کا "نیا" "مقام" تجویز کرکے حلت وحرمت کے اختیارات سنبھال کر بیٹھ گئے ــــ!!

(مسلسل)

ہندوستانی خریدار!

مندرجہ ذیل میں کسی ایک جگہ رقوم ارسال کرکے ہمیں مطلع فرمادیں۔

(۱) دفتر ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(۲) دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

ایجنسی

- ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے
- پرچہ صرف بذریعہ وی۔ پی ارسال ہوگا۔
- کمیشن ۲۵ فی صد۔

محصولڈاک بذمہ "میثاق"

امین احسن اصلاحی

تدبرِ قرآن

"تفسیر سورۂ آلِ عمران"

(۹)

۲۵- (آگے کا مضمون آیات ۱۰۰ — ۱۰۹)

یہاں تک خطاب کا اصلی رخ اہل کتاب کی طرف تھا، ان پر حجت تمام کر دینے کے بعد اب آگے کی آیت سے خطاب مسلمانوں سے ہو گیا ہے اور ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اہل کتاب کی بات مانی تو یہ تم کو پھر اسی کفر و جاہلیت کے گڑھے میں گرا کے رہیں گے جس سے نکل کر تم ایمان و اسلام کی روشنی میں آئے ہو۔

پھر اس عظیم نعمت کی قدر دانی اور شکر گزاری کا احساس دلاتے ہوئے جو انہیں پیغمبرؐ اور قرآن کی شکل میں حاصل ہوئی ہے، اس طریقے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جس کو اختیار کر کے وہ ان فتنوں سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں جو اہل کتاب ان کو گمراہ کرنے کے لئے اٹھا رہے ہیں۔ ساتھ ہی اس اجتماعی نظام کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے جو اس ملت کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ اس ملت کا انجام بھی وہی ہوگا، جو اہل کتاب کا ہوا ——— اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۲ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ
اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ
وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۳ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ
اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۴ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ آل عمران ۱۰۲-۱۰۹
تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۵ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ
وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۷ تِلْكَ اٰيٰتُ
اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۸
۱۰۹ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

ترجمہ

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لوگے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف پلٹا دیں گے، اور تمہارا کفر میں پڑنا کس طرح جائز ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے اور جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑے گا تو وہی ہے جس کو صراط مستقیم کی ہدایت ملی (۱۰۰-۱۰۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر ہو اور اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور پراگندہ نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ کے اس فضل کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ

نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیئے اپنی ہدایات کو واضح کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو اور چاہیئے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۱۰۳ - ۱۰۴)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پراگندہ ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات آ چکی تھیں اور وہی ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس دن جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے تو اب چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں، رہے وہ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمہیں حق کے ساتھ سنا رہے ہیں اور اللہ عالم والوں پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا، اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کیلئے ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں (۱۰۵ - ۱۰۹)

۲۶- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ (۱۰۰)

فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ سے اہل کتاب کا وہی گروہ مراد ہے جس کی مخالفتوں اور وسوسہ اندازیوں کا اوپر تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ اہل کتاب میں ایک گروہ جیسا کہ اوپر بھی ذکر گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے، اہل انصاف کا بھی تھا، اس وجہ سے قرآن نے جگہ جگہ اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ یہاں بھی مسلمانوں کو اہل کتاب کی وسوسہ اندازیوں اور خاکبازیوں سے بچتے رہنے کی جو تاکید فرمائی ہے تو تعین کے ساتھ اس گروہ کی طرف انگلی اٹھا دی ہے جس سے بچا پیش نظر ہے۔ یہ انصاف کا بھی تقاضا تھا اور دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے بھی یہی بات مطابق حکمت و مصلحت تھی۔

اس آیت میں تنبیہہ کا خاص پہلو یہ ہے کہ یہ ہیں تو اہل کتاب میں سے اس وجہ سے ایک نیک نیت آدمی کو یہ حسن ظن ہو سکتا ہے کہ بھلا یہ دیندار لوگ کوئی گمراہی کی بات کس طرح سوچ سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کے ایسے پکے دشمن ہیں کہ جو مسلمان ان کی باتوں میں آجائے گا یہ اسکو پھر کافر بنا کے چھوڑیں گے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۱۰۱)

فتنوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر

اعتصام کے معنی کسی شے کو مضبوطی سے پکڑنے اور تھامنے کے ہیں۔ اعتصام باللہ کے معنی اللہ کے احکام و ہدایات اور اس کی کتاب پر مضبوطی سے نرم و گرم ہر طرح کے حالات میں مخالفت و موافقت سے بے نیاز ہو کر قائم رہنا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو کفر و ارتداد ہر حالت میں انسان کی بدبختی اور اس کی شامت کی دلیل ہے۔ لیکن اگر آج تم نے یہ راہ اختیار کی جب کہ اللہ کی آیات تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور خدا کا رسول تمہارے اندر موجود ہے۔ تو یہ محرومی و بدبختی کی انتہا ہو گی۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی اور اپنے لیے عذر کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ پھر اس قسم کی ٹھوکر سے بچنے کی تدبیر بتا دی کہ اگر چاہتے ہو کہ تمہارے قدم جادہ مستقیم پر استوار رہیں اور تمہارے مخالفین تمہیں ٹھوکر نہ کھلا سکیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کو مضبوط پکڑو، یعنی اللہ کی جو آیات و ہدایات تمہیں سنائی جا رہی ہیں، انہیں حرز جان بناؤ اور تمام مخالفتوں اور تمام خاکبازیوں کے علی الرغم ان پر قائم و دائم رہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۱۰۲)

اعتصام باللہ کی حقیقت

یہ اعتصام باللہ کی حقیقت واضح فرما دی کہ اللہ کو مضبوط پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے اس طرح ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرتے رہنے کا حق ہے۔ یہ تقویٰ اگرچہ مطلوب تو اس حد تک ہے جس حد تک بندے کی استطاعت میں ہے، اس کی وضاحت خود قرآن ہی نے فرما دی ہے کہ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (۱۶-تغابن)، لیکن خدا سے ڈرنے اور دوسروں سے ڈرنے میں بڑا فرق ہے۔ اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ خدا سے ڈرتے رہو جس طرح خدا سے ڈرتے رہنے کا حق ہے۔ اول تو بندے پر خدا کے جو حقوق ہیں وہ کسی اور کے نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدا نے جو حدود و قیود قائم کئے ہیں

اوران کے توڑنے کی جو سزا مقرر کی ہے وہ تمام تر بندوں کی دنیوی اور اخروی بہبود کے لیے کی ہے، ان کی پابندی سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بندوں ہی کو پہنچتا ہے۔ تیسری یہ کہ خدا کی آنکھیں ہر جگہ نگراں ہیں یہاں تک کہ وہ دلوں کے وسوسوں سے بھی باخبر ہے۔ چوتھی یہ کہ خدا کی پکڑ سے کوئی دوسرا بچا نہیں سکتا اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دے سکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے دے سکتا ہے۔ خدا سے ڈرنے میں جب تک بندہ ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر نہ رکھے وہ خدا سے ڈرنے کا صحیح مفہوم سمجھ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ وہ اس کا صحیح حق ادا کر پاتے۔ بہت سے لوگ جو انسانوں سے ڈر کر خدا اور اس کی شریعت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کی بنیادی گمراہی یہی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی مخالفت اور خدا کے غضب میں فرق نہیں کر پاتے۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، میں یہ لطیف حقیقت واضح فرمائی ہے کہ خدا سے یہ ڈرنا صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے یہ جدوجہد شروع ہوتی اور زندگی کی آخری سانس پر تمام ہوتی ہے۔ اگر آخری مرحلے میں بھی یہ تسلسل کہیں ٹوٹ گیا تو ساری عمر کی محنت برباد گئی۔ آیت کے اسلوب میں یہ بات بھی مخفی ہے کہ یہ راہ بہت ہموار نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سے نشیب و فراز اور ہر قدم پر اتار چڑھاؤ ہیں۔ اس میں آزمائشوں اور فتنوں سے دوچار ہونا ہوگا اور شیاطین کے شب خونوں اور معاندین کی دراندازیوں اور فساد انگیزیوں سے سابقہ پیش آئیگا۔ کبھی طمع ورغلانے کے لیے عشوہ گری کرے گی، کبھی خوف دھمکانے کے لیے اپنے اسلحہ سنبھالے گا۔ جو ان سب مرحلوں سے اپنا ایمان و اسلام بچاتا ہوا منزل پر پہنچا اور اسی حال میں اس نے جان، جان آفریں کے سپرد کی درحقیقت وہ ہے جو خدا سے اس طرح ڈرا جس طرح خدا سے ڈرنے کا حق ہے اور یہی ہے جس کو اعتصام باللہ کا مقام حاصل ہوا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى
شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۱۰۳)

'حبل' کے معنی رسی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں استعمال ہوا۔ اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا مشہور شعر ہے۔

ولکنی وصلت الحبل منہ مواصلۃ بحبل ابی بیان

"لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے
وابستگی کی بنا پر۔"

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لئے کہ رسی جسطرح دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدے کے مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ الا بحبل من اللہ وحبل من الناس (مگر اللہ کے اور لوگوں کے کسی معاہدے کے تحت)، آیت زیر بحث میں حبل سے مراد قرآن ہے اس لئے کہ یہی ہمارے رب اور ہمارے درمیان ایک عہد و میثاق ہے۔ خدا کو مضبوطی سے پکڑنا ظاہر ہے کہ اپنے ظاہری مفہوم میں نہیں ہے اس لیے کہ خدا چھونے اور پکڑنے کی چیز نہیں۔ اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ ہم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہے۔ گویا اوپر والی آیت میں واعتصموا باللہ جو فرمایا تھا واعتصموا بحبل اللہ کے الفاظ سے اس کی وضاحت فرما دی۔

سلف میں سے قتادہ، سدی، عبداللہ بن عباس، مجاہد اور ضحاک کی یہی رائے ہے۔ ابن جریرؒ نے ابوسعید خدریؓ کے واسطے سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ ھو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک خدا اور اس کے درمیان تنی ہوئی ہے"

گویا یہی چیز ہے جو بندوں کو خدا سے جوڑتی ہے، جس نے اس کو تھام لیا، گویا خدا کو تھام لیا۔ سلف میں سے جو لوگ حبل اللہ کی تعبیر عہد اللہ سے کرتے ہیں وہ بھی درحقیقت حبل اللہ سے قرآن ہی کو مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان معاہدہ کی حیثیت قرآن ہی کو حاصل ہے۔ قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو میثاق اور عہد سے اسی بنا پر تعبیر کیا گیا ہے۔ اس پر مفصل بحث سورہ مائدہ میں آئے گی۔

مضبوط پکڑنے کے ساتھ ساتھ جمیعا کی تاکید اور ولا تفرقوا کی نہی نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ چیز جماعتی حیثیت سے مطلوب ہے۔ سب مل کر اس کو مضبوطی سے تھامیں۔ اسی حبل اللہ سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ اس کو چھوڑ کر وہ اپنے شیرازے کو پراگندہ نہ کریں اگر اس کے ساتھ تعلق

اعتصام بحبل اللہ اجتماعی حیثیت سے مطلوب ہے

میں ضعف پیدا ہوگیا - اس کی جگہ انہوں نے دوسری رسیوں کا سہارا لے لیا اور حق و باطل کے جانچنے کے اس سے الگ کچھ معیارات بنا لیے تو وہ بھی اسی طرح پراگندہ ہو جائیں گے جس طرح یہود و نصاریٰ پراگندہ ہو گئے۔

اس کے بعد اس عظیم احسان کی یاد دہانی فرمائی ہے جو اس کتاب کے ذریعہ سے عرب قوم پر ہوا۔ اس کتاب کے نزول سے پہلے عرب کا ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا دشمن تھا۔ ان میں باہم خون ریز جنگیں برپا رہتی تھیں۔ ان کے دیوتا الگ الگ اور ان کے اغراض و مفادات باہم متصادم تھے۔ لیکن اس حبل اللہ نے ان کو ایک رشتہ میں پرو کر ان کو موتیوں کی لڑی بنا دیا اور وہ جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے ایک دوسرے کے جگری دوست اور غمخوار بھائی بن گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس حالت کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس حبل اللہ کے ساتھ اپنی وابستگی کو برابر برقرار رکھو۔ اگر یہ رشتہ کمزور ہوا تو پھر وہی جاہلیت کی حالت لوٹ آئے گی، جس میں اس سے پہلے مبتلا تھے۔ تم تباہی کے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے۔ خدا نے تم کو اس سے بچایا ہے۔ اس کو چھوڑ کر پھر اسی گڑھے میں گرنے کا سامان نہ کر لینا۔

(حاشیہ: مسلمانوں کی [illegible])

چونکہ یہ مقام بہت اہم ہے جو ہدایات یہاں دی جا رہی ہیں وہ مسلمانوں کے مستقبل سے بڑا گہرا تعلق رکھنے والی ہیں۔ ان میں معمولی غلطی یا غلط فہمی بھی بڑے ہولناک فتنوں کے دروازے کھول سکتی تھی۔ اس وجہ سے یہاں جیسا کہ اوپر کے سلسلہ کلام سے واضح ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات بڑی وضاحت سے بیان فرمائی ہیں تاکہ کسی گمراہی کے لئے کوئی وجہ باقی نہ رہے۔ اسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے ــ کذالک یبین اللہ (الآیہ)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۰۴) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۰۵)

(حاشیہ: خلافت کے نظام کا بنیادی مقصد)

یہ امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے، اور لوگوں کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات اور منکرات ہیں اور ان کے لئے امر و نہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا چاہیے بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے

ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اختیار و اقتدار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لئے یدعون الی الخیر کے الفاظ کافی تھے یامرون بالمعروف (الآیہ) کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علی منہاج النبوت کا قیام تھا۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ اس امر کی نگرانی کرے کہ مسلمان اعتصام باللہ کے نصب العین سے ہٹنے نہ پائیں۔ اس کے لئے جو طریقے اس کو اختیار کرنے تھے وہ اصولی طور پر تین تھے۔ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ انہی تین سے خلافت راشدہ کے دور میں وہ تمام شعبے وجود میں آئے جو ملت کی تمام داخلی و خارجی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا ذریعہ بنے۔

واولئك هم المفلحون کا تعلق صرف اس مخصوص گروہ ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ اشارہ پوری امت کی طرف ہے کہ جو امت اعتصام باللہ کے لئے یہ اہتمام کرے گی وہی دنیا اور آخرت میں فلاح حاصل کرنے والی بنے گی۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے انجام سے مسلمانوں کو عبرت دلائی ہے کہ وہ خدا کی واضح تنبیہات کے باوجود خدا کی رسی چھوڑ بیٹھے اور پھر جس کے ہاتھ میں جو رسی آگئی وہ اسی کو حبل اللہ سمجھ بیٹھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے درمیان ایسے اختلافات پھوٹ پڑے جن کی اصلاح ناممکن ہو گئی۔ فرمایا کہ تم بھی انہی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی دنیا و عاقبت نہ برباد کر لینا یہ فلاح کی راہ نہیں بلکہ عذاب الیم کی مستوجب ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ (١٠٦) وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (١٠٧) تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ (١٠٨) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (١٠٩)

نظم کلام کی روشنی میں ان آیات پر غور کیجئے تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آئیں گے۔

مسلمانوں کو تنبیہ (۱)

اول یہ کہ اعتصام بحبل اللہ سے محروم ہو جانے کے بعد اہل کتاب اختلاف و انتشار میں مبتلا ہوئے اور یہ انتشار و اختلاف درحقیقت ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹ جانے کے ہم معنی ہے۔

دوم یہ کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ سرفرازی و سرخروئی بخشتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں خود اپنی

رسی پکڑاتا ہے۔ اگر وہ اپنی شامت اعمال سے اس رسی کو چھوڑ کر دوسرے پھندے اپنی گردنوں میں ڈال لیتے ہیں تو قیامت کے دن ان کو اسی درجے کی روسیاہی بھی حاصل ہوگی جس درجے کی ان کو سرخ روئی بخشی گئی تھی۔ چہرے روشن ان کے ہوں گے جو ہر طرح کے حالات میں اس رسی کو تھامے رہیں گے۔ یہ لوگ بے شک اللہ کے فضل و رحمت کے حقدار ہوں گے۔

سوم یہ کہ یہ ساری تنبیہات بالحق ہیں یعنی ہر بات شدنی ہے۔ ان کو محض خالی خولی دھمکی سمجھ کر جو لوگ نظر انداز کریں گے وہ اپنی روسیاہی کا سامان خود کریں گے اور اس کی تمام تر ذمہ داری انہی پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی پہلے سے اسی لئے سنادی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو سزا اس پر حجت تمام کیے بغیر دے۔

چہارم یہ کہ آسمان و زمین میں سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ سارے امور اسی کے حضور پیش ہوں گے اور اسی کا فیصلہ ناطق و نافذ ہوگا۔ اگر کسی نے کسی اور سے امید باندھ رکھی ہو تو اس کی یہ امید محض ایک واہمہ ہے جو حقیقت کے ظہور کے بعد بالکل سراب ثابت ہوگی۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہ ساری تنبیہات مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہیں کہ ان تمام خطرات سے بچ کے رہنا۔

۲۷۔ آگے کا مضمون آیات (۱۱۰ — ۱۲۰)

اوپر کی تنبیہات کے اندر یہ حقیقت خود بول رہی تھی کہ اہل کتاب جس منصب امامت پر اب تک سرفراز رہے ہیں ہر پہلو سے وہ اس کے لئے نااہل ثابت ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اس منصب سے معزول ہوئے اور خدا نے یہ امانت اس امت کے سپرد فرمائی جو اس کی اہل ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بشارت دی ہے کہ اب یہ اہل کتاب تمہاری مخالفت میں جتنا زور چاہیں لگالیں وہ تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے بلکہ ہر جگہ منہ کی کھائیں گے اور ان کے لئے ذلت مقدر ہو چکی ہے۔

اثنائے کلام میں اہل کتاب کے اس گروہ کی تحسین بھی فرمائی ہے جو حق پر قائم تھا اور جو بالآخر دولت اسلام سے سرفراز ہوا۔

پھر اہل کتاب کی اصل بیماری کی طرف اشارہ ہے جو فی الحقیقت قبول حق میں ان کے لئے حجاب بنی اور یہ واضح فرمایا کہ اس حق سے محروم رہنے کے بعد اب وہ اپنی دینداری کا بھرم رکھنے کے لئے جو ظاہرداری بھی کریں گے سب اکارت جائے گی، اس کا کچھ حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ اب تم ان سے تمام تعلقات دوستی و محبت ختم کر لو اسلیے

آگے کا مضمون آیات ۱۱۰-۱۲۰

کہ اب تمہارے لئے ان کے دلوں میں دشمنی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور ان کے اندر خیر کی کوئی رمق باقی
نہیں رہی ہے ـــــ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمایئے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا
أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ
مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ
حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ
أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ
يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ
الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ آیات ۱۱۰ - ۱۲۰
بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا
أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ
رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ـــــ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ
خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِنْ

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ هَاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ
تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ
اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا
بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ ۱۱۹ اِنْ تَمْسَسْكُمْ
حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞ ۱۲۰

"تم بہترین امت ہو، لوگوں کی رہنمائی کے لئے مبعوث کیے گئے ہو، معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں۔ وہ تمہیں تھوڑی سی زبان درازی کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد بھی نہیں ہوگی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ بس اگر کچھ سہارا ہے تو اللہ اور لوگوں کے کسی عہد کے تحت۔ وہ اللہ کا غضب لیکر لوٹے ہیں اور ان پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں کیونکہ یہ نافرمان اور حد سے آگے بڑھنے والے رہے ہیں (۱۱۰-۱۱۲)

سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں ایک گروہ عہد پر قائم ہے۔ یہ رات کے وقتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت اور سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ جو نیکی بھی یہ کریں گے تو اس سے محروم نہیں کئے جائیں گے اور اللہ خدا ترسوں سے باخبر ہے۔ (۱۱۳-۱۱۵)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کے مقابل میں ذرا کام آنے والے نہیں۔ یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور وہ اسی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جو کچھ اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں اس کی تمثیل ایسی ہے کہ کسی ایسی قوم کی کھیتی پر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو، پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو تباہ کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان

پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہیں۔ (۱۱۶ - ۱۱۷)

اے ایمان والو! اپنے سے باہر والوں کو اپنا محرم راز نہ بناؤ، یہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ تمہارے لئے زحمتوں کے خواہاں ہیں۔ ان کی عداوت ان کے موہنوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ ہم نے تمہارے لئے اپنی تنبیہات واضح کر دی ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ یہ تمہی ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو۔ وہ تو تم سے دوستی نہیں رکھتے حالانکہ تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں، کہہ دو تم اپنے غصے میں مر جاؤ۔ اللہ سینوں کے بھید سے خوب واقف ہے۔ اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچ جاتا ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو گے اور تقوے اختیار کرو گے تو ان کی چال تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ (۱۱۸ - ۱۲۰)

۲۸- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۱۱۰)

الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

'کان' یہاں تامہ ہے جس طرح کان اللہ علیما حکیما میں ہے۔ خیر امۃ میں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ اب دین کی صحیح شاہراہ پر تمہی ہو۔ اللہ نے جو دین نازل فرمایا تھا، اہل کتاب نے اس میں کج پیچ کی راہیں نکال کر اصل دین کو گم کر دیا۔ اب خلق کی رہنمائی کے لئے خدا نے تم کو کھڑا کیا ہے۔ اسی حقیقت کو سورہ بقرہ میں کذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس (الآیہ) کے الفاظ سے واضح فرمایا ہے۔ وہاں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ امت چونکہ ٹھیک نقطۂ اعتدال اور وسط شاہ راہ پر ہے اس وجہ سے یہ خیر امت ہے۔ للناس میں ایک مضاف محذوف ہے یعنی لوگوں کی اصلاح، رہنمائی اور ان پر اللہ کے دین کی گواہی دینے کے لئے جیسا کہ فرمایا ہے لتکونوا شہداء

علی الناس ۔

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ یہ اس امت کے خیر امت ہونے کی دلیل بیان ہوئی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس لئے خیر امت ہو کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو ، منکر سے روکتے ہو ۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس منصب پر تم نسل و نسب کی بنا پر نہیں سرفراز ہوتے ہو ، جیسا کہ اہل کتاب نے اپنی بابت گمان کیا ۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری نے تمہیں اس کا استحقاق بخشا ہے ۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ یہ منصب صفات اور ذمہ داریوں کے ساتھ مشروط ہے کسی مخصوص گروہ کے ساتھ اللہ نے اس کو باندھ نہیں چھوڑا ہے کہ لازماً یہ اس کے ساتھ بندھا ہی رہے ، اگرچہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا کے رکھ دے ۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصل بنیاد اللہ پر ایمان ہے کسی کو جو کچھ بھی عزت و فضیلت اللہ کی نگاہوں میں حاصل ہوتی ہے وہ اسی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی معتبر وہی ہے جو ایمان باللہ کے ساتھ ہو ۔ منبروں اور اسٹیجوں سے خدا پرستی اور دینداری کے جو وعظ کھوکھلے سینوں سے نکلتے ہیں ان کی حیثیت وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے علمائے یہود سے متعلق فرمایا ہے کہ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (کیا تم دوسروں کو نیکی اور تقویٰ کے وعظ سناتے ہو لیکن اپنے آپ کو بھول جاتے ہو)

فسق کا لفظ یہاں ایمان و اطاعت سے نکل جانے کے معنی میں ہے ۔ اس کی تشریح ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں ۔

نظم کے اعتبار سے یہ آیت جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں ۔ اس امت کے منصب امامت کا اعلان ہے ۔ اس سورہ کی تمہید میں اللھم مالک الملک والی دعا کے ضمن میں ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ اس کے اندر اہل کتاب کی معزولی اور امت مسلمہ کی تقرری کا فیصلہ مضمر ہے ۔ چنانچہ پوری تفصیل کے ساتھ یہود و نصاریٰ دونوں کی بدعہدیاں واضح کر چکنے کے بعد یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب خیر امت کے منصب کے حقدار یہ اہل ایمان ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ ۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ قرآن اور پیغمبرؐ پر ایمان لاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا ۔ " بہتر ہوتا " کے الفاظ کے اندر جو ابہام و اجمال ہے یہ متکلم کے اس غضب کا غماز ہے جس کے متحمل الفاظ نہیں ہو سکتے تھے ۔ اس کے بعد بانداز حسرت فرمایا کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود ان میں ایمان لانے والے تھوڑے نکلے ۔ اکثریت بدعہدوں اور نافرمانوں

ہی کی نکلی۔

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ؕ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ (۱۱۱)

اذیٰ کا مفہوم

اَذًی کے معنی دکھ اور تکلیف کے ہیں۔ اس کا نکرہ ہونا اس بات کی قلت کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب ان کی جڑ کٹ چکی ہے۔ ان کے اندر اب اتنا دم خم نہیں ہے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکیں۔ بس زیادہ سے زیادہ جو یہ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے کچھ طعن و تشنیع، کچھ زبان درازی اور کچھ افترا پردازی و تہمت تراشی کر لیں۔ اس سے زیادہ کا حوصلہ ان کے اندر نہیں ہے اور اگر یہ تم سے لڑنے کے لئے نکلے تو پیٹھ دکھائیں گے اور پھر ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کسی طرف سے بھی ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ بعد کے واقعات نے قرآن کی اس پیشنگوئی کی حرف حرف تصدیق کر دی۔ یہی مضمون آگے اس طرح بیان ہوا ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا (۱۸۶) اور تم ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین کی طرف سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَةُ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (۱۱۲)

ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ۔ یعنی جس طرح دیوار پر گیلی مٹی تھوپ دی جاتی ہے اسی طرح ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ انہوں نے عزت کی جگہ ذلت کی راہ اختیار کی تو ان پر پوری طرح ذلت مسلط کر دی گئی۔ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا سے اس ذلت کے احاطہ اور اس کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں کہیں بھی یہ ہیں ذلت ان پر مسلط ہے۔ یہاں تک کہ اپنے مرکز میں بھی یہ ذلیل و خوار ہیں۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں ان کو عزت حاصل ہو اور یہ اپنی کمر کے بل بوتے پر کھڑے ہوں۔

الّا بحبلٍ من اللہ کا مفہوم

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ کہیں قائم ہیں تو اپنی سطوت و عزت کے اعتماد پر نہیں بلکہ یا تو اللہ والوں کے کسی معاہدے نے ان کو امان دے رکھی ہے یا اپنے پاس پڑوس کے قبائل سے انہوں نے کوئی اسی قسم کا سہارا حاصل کر رکھا ہے۔ یہ سہارے وقتی اور عارضی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً ان سے مختلف قبائل سے جو معاہدے کئے تھے ان کی عہد شکنیوں اور شرارتوں کی وجہ سے بعد میں وہ ختم کر دیئے گئے اور یہ یا تو اپنے جرائم کی پاداش

میں قتل کر دیئے گئے یا جلاوطن کر دیئے گئے۔ دوسرے قبائل سے انہوں نے جو معاہدے کر رکھے تھے ۔ وہ قبائل بھی جب آہستہ آہستہ اسلام کے زیر اثر آ گئے تو وہ معاہدے بھی عملاً بے اثر ہو کر رہ گئے۔ جس درخت کی اپنی جڑیں کھوکھلی ہوں وہ ٹھونیوں کے سہارے آخر کب تک کھڑا رہ سکتا تھا۔ اس زمانے میں یہود کی نام نہاد سلطنت اسرائیل بھی جیسا کہ ہم اس کتاب میں کہیں اشارہ کر چکے ہیں، اسی حکم میں داخل ہے ۔ وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ حبل من الناس، امریکہ اور انگلستان کے سہارے پر کھڑی ہے اور جو چیز دوسرے کے سہارے کھڑی ہو اس کا کھڑا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

وباءو بغضب من اللہ

وباءو بغضب من اللہ کا مفہوم سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ یہود کی شامت اعمال اور ان کی بدبختی کا بیان ہے کہ جہاں سے ان کو عزت و سرفرازی کی دولت دو جہاں لے کے لوٹنا تھا یہ اپنی دوں ہمتی کی وجہ سے وہاں سے خدا کا غضب لے کر لوٹے جس کے نتیجے میں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب امامت و شہادت پر مامور فرمایا تھا۔ اگر یہ اس کی ذمہ داریاں ادا کرتے اور اپنے عہد پر استوار رہتے تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا مقام بہت اونچا تھا لیکن یہ اپنی دنیا پرستی اور پست ہمتی کی وجہ سے اس کی ذمہ داریاں نہ سنبھال سکے اور خدا کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔ یہ حقیقت یہاں پیش نظر رہے کہ جو مقام جتنا ہی اونچا ہوتا ہے اس کی چڑھائی اتنی ہی سخت ہوتی ہے اور پھر اسی اعتبار سے اس سے گرنے کا انجام بھی نہایت خطرناک ہوتا ہے۔

مسکنت کا مفہوم

وضربت علیہم المسکنۃ ۔ مسکنت سے مراد بے حوصلگی اور پست ہمتی ہے ۔ قرآن نے اہل کتاب کی پست ہمتی کو نہایت حقیقت افروز تمثیلوں سے جگہ جگہ واضح فرمایا ہے۔ ان تمثیلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہود پر دنیا پرستی کا اتنا غلبہ تھا کہ آخرت کی طلب اور اس کے لئے ایثار و قربانی کا کوئی حوصلہ ان کے اندر باقی رہ ہی نہیں گیا تھا۔ وہ آخرت کے بڑے سے بڑے نسیہ کے لئے اپنی دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے نقد کو قربان کرنے کی بھی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کی اس بزدلی اور پست ہمتی پر بار بار ملامت کی ہے ۔ بعد کے انبیاء نے بھی اس کا نوحہ کیا ہے ۔ قرآن نے بھی جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے ۔ کتے والی تمثیل ان کی پست ہمتی ہی کی تمثیل ہے اور غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان کی یہ پست ہمتی ہی تھی جس کے سبب سے وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر ذلت مسلط کر دی جائے۔

ذلت و مسکنت کے عذاب کا سبب

ذٰلک بانہم کانوا یکفرون الآیۃ ۔ یہ علت بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں یہ ذلت، غضب اور مسکنت کے عذاب کے مستحق قرار پائے ؟ فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا انکار اور

انبیا کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ بلندی اور رفعت کا ذریعہ اللہ کی آیات ہیں۔ جو لوگ ان کا انکار کریں اور اس انکار کو اپنا شیوہ بنالیں وہ اگر ذلت کے سزاوار نہ ہوں گے تو کس چیز کے ہوں گے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے اس تمثیل میں پیش کیا ہے جس میں فرمایا ہے کہ ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض۔ اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے سے اس کو بلند کرتے لیکن یہ تو برابر زمین ہی کی طرف جھکا رہا۔ ایسا ہی معاملہ انبیاء اور آمرین بالقسط کا ہے۔ یہ انسانیت کے گل سرسبد ہوتے ہیں۔ انہی کے سہارے انسانیت سعادت اور کمال کے مدارج طے کرتی ہے۔ اگر کوئی گروہ ان کا قاتل رہا ہو تو وہ خدا کی طرف سے غضب اور ذلت کے سوا اور کس چیز کا حقدار ہو سکتا ہے؟

ذالک بما عصوا و کانوا یعتدون۔ یہ سبب بیان ہوا ہے ان کے کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء کا۔ یعنی نافرمانی اور حدود الٰہی سے تجاوز ان کی عادت رہی ہے۔ اسی چیز نے ان کو کفر اور قتل انبیاء پر اکسایا۔ بالآخر یہ جرائم ان کے لئے خدا کے غضب کا باعث ہوئے اور ان پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی۔

ایمان کی وضاحت کے بعد نظم کے پہلو پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اوپر کی آیت میں جو بات فرمائی گئی تھی، اس آیت میں اس کی دلیل بیان ہوگئی کہ بھلا وہ لوگ تمہارا کیا بگاڑ سکیں گے جن پر ہر جگہ خدا کی مار ہے اور جواب تمہارے سہاروں پر جی رہے ہیں۔

لَیْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ ۱۱۳
یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُسَارِعُوْنَ
فِی الْخَیْرٰتِ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۱۱۴ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ وَاللّٰہُ
عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ ۱۱۵

امۃ قائمۃ، یعنی وہ گروہ جو اللہ کے عہد و میثاق اور اس کی شریعت پر قائم ہے۔ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون، یعنی وہ شب کے اوقات میں کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ شب کی نماز و تلاوت ان کے عہد الٰہی پر قائم رہنے کا ثبوت ہے اس لئے کہ اس بے ریا نماز و تلاوت کی بے قراری انہی لوگوں کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جو اس عظیم ذمہ داری کا نہایت گہرا احساس رکھتے ہوں۔ نماز کی تعبیر سجدہ سے ایک تو اس پہلو سے ہے کہ سجدہ نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہے، دوسرے یہ خشیت اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر ہے، تیسرے اس پہلو سے بھی ہے کہ یہود نے، جیسا کہ ہم اس کتاب میں کہیں ذکر کر چکے ہیں، سجدہ کو اپنی نماز سے خارج کر دیا تھا۔

یہ اہل کتاب کے اس گروہ قلیل کا ذکر ہے جو اس اکثریت سے مستثنیٰ ہے جس کا حال اوپر والی آیت

اہلِ کتاب کے صالح عنصر کی روش

میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا کہ سب اہلِ کتاب اسی طرح کے نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے بلکہ ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو اپنے عہد پر قائم، شب بیدار و تہجد گزار، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اس گروہ میں وہ لوگ بھی تھے جو علی الاعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جو اگرچہ ان آیات کے نزول کے وقت تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں کر سکے تھے لیکن اندر سے وہ بالکل مومن صادق تھے اور بالآخر وہ اسلام لائے۔ ان لوگوں کو قرآن نے صالحین و متقین میں شمار کیا ہے۔ یہ لوگ جو نیکی بھی کریں گے اس کے اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔ یہ اسلام میں آجانے کے بعد اپنی ان نیکیوں کا بھی پورا پورا اجر پائیں گے جو اسلام میں آنے سے پہلے انہوں نے کی ہیں اسی گروہ کا ذکر اس سورہ کے آخر میں فرمایا ہے۔

وان من اهل الكتاب لمن يومن بالله وما انزل اليكم وما انزل اليهم خاشعين لله لا يشترون بايات الله ثمنا قليلا اولئك لهم اجرهم عند ربهم ان الله سريع الحساب ۱۹۹ — آل عمران	"اور بے شک اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے اور جو ان کی طرف اتاری گئی ہے خدا سے ڈرتے ہوئے، یہ اللہ کی آیات کے عوض میں حقیر قیمت قبول نہیں کرتے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا صلہ ہے۔ بیشک اللہ جلد حساب چکا دینے والا ہے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ (۱۱۶) مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ (۱۱۷)

کفار کے انفاق کی بے ثمری کی مثال

یہاں اہلِ کتاب کا ذکر ہے جو اوپر والے گروہ کے برعکس اپنے کفر پر اڑے رہ گئے۔ ان کے بابت فرمایا کہ جس مال و اولاد کی محبت نے انہیں خدا سے بے پروا کیا وہ ان کو خدا کی پکڑ اور دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑیں گے اور اس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ اس دنیا کی زندگی میں اپنی رسمی دینداری کی نمائش کے لیے جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں، یہ خرچ کرنا بھی آخرت میں ان کے لیے کچھ سودمند نہیں۔ ان کے

اس خرچ کی تمثیل اس کھیتی کی سی ہے جس پر پالے والی ہوا چل جائے اور وہ اس کو برباد کر کے رکھ دے۔ کفر و شرک کے ساتھ جو کام نیکی اور دینداری کی نوعیت کے کیے جاتے ہیں وہ سب اکارت جاتے ہیں۔ کفر و شرک ٹھنڈی آگ ہے جو ساری محنت کو راکھ کا ڈھیر بنا کے رکھ دیتی ہے۔ اوپر والی آیت میں بیان ہوا تھا کہ جو اہل کتاب اپنے ایمان پر قائم رہے اور قرآن کے نزول کے بعد قرآن پر بھی ایمان لائے ان کی پچھلی نیکیاں بھی سب شرف قبولیت پائیں گی۔ اس آیت میں واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ نہ اپنے عہد پر قائم رہے نہ اسلام میں داخل ہوئے ان کا سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔

وماظلمهم الله الآیہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ یہ ظلم انہوں نے خود اپنے اوپر کیا ہے۔ درخت اپنی جڑ کے سلامت رہنے سے سلامت رہتا ہے۔ اگر درخت کی جڑ اکھاڑ دی جائے تو اس کی شاخوں اور اس کے پتوں پر پانی دینے میں خواہ کوئی کتنی ہی محنت اٹھائے اور کتنی ہی زحمت جھیلے سب بے سود ہے۔ اس کی محنت کی بربادی پر اگر قابل ملامت ہے تو وہ خود ہے نہ کہ قدرت اور قدرت کا قانون!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۱۸) هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۱۱۹) اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (۱۲۰)

لا تتخذوا بطانۃ۔ بطانۃ لحاف وغیرہ کے استر کو کہتے ہیں۔ بطانۃ الرجل سے آدمی کے اہل وعیال اور اس کے خواص و محرمان راز مراد ہوتے ہیں۔[۱] خبال، کے معنی فساد اور بگاڑ کے ہیں۔ لا یالونکم خبالا، یعنی تمہارے اندر فساد پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ عنت، کے معنی مشقت، زحمت اور تکلیف کے ہیں۔ ودوا ما عنتم، یعنی تمہارے لیے وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تمہیں اس راہ میں ٹھوکریں پیش آئیں اور تم زحمتوں میں پھنسو۔ قد بدت البغضاء من افواھھم سے مراد اسلام دشمنی کی وہ باتیں ہیں جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اہل کتاب سب کچھ گوارا کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اسلام اور مسلمانوں

[۱] بطانۃ الرجل ولیجتہ الذی یکاشفہ باسرارہ ثقۃ بمودتہ۔ اقرب الموارد

کو کسی قیمت پر بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں چنانچہ قرآن نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ کھلم کھلا مشرکین تک کو بھی مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ ہدایت پر یہ ہیں۔ (هٰؤلاء اهدٰى من الذين آمنوا سبيلا)

ھانتم اولاء میں ضمیر خطاب ھا اولاء کے بیچ میں آگئی ہے۔ ھا درحقیقت تنبیہ کا کلمہ ہے اس وجہ سے جب اس پر زور دینا ہوتا ہے تو اہل عرب یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح ھا انا ذا بھی کہتے ہیں۔

تومنون بالکتاب کلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم سورہ بقرہ میں بحث کر چکے ہیں۔ اصل میں پچھلے صحیفوں اور قرآن میں نسبت جزو اور کل کی ہے۔ اہل کتاب کو کتاب الٰہی کا صرف ایک حصہ دیا گیا تھا۔ پوری کتاب کا دیا جانا آخری بعثت پر اٹھا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ اہل کتاب کے متعلق بار بار یہ الفاظ آتے ہیں الم تر الی الذین اُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ ۲۳- آل عمران (بھلا ان کو تو دیکھو جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا) اللہ تعالیٰ کی پوری کتاب قرآن ہے جس طرح اس کا پورا دین اسلام ہے۔ اس وجہ سے جب مسلمان قرآن پر ایمان لاتا ہے تو خدا کی پوری کتاب پر ایمان لاتا ہے۔ اس پر بھی جو پہلے اتری اور اس پر بھی جو بعد میں اتری۔ قرآن سب کا جامع ہے۔

وَاِذَا خَلَوا، یعنی جب وہ اپنی مجلسوں میں ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں بالکل اسی قسم کے سیاق میں فرمایا ہے۔ واذا خلوا الی شیٰطینھم قالوا انا معکم (اور جب یہ اپنے لیڈروں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو آپ کے ساتھ ہیں)

ان آیات میں مسلمانوں کو اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی آیت ۱۰۰ میں گزر چکی ہے۔ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن پیش نظر جیسا کہ ہم نے آیت ۱۰۰ کے تحت اشارہ کیا ہے وہ مسلمان ہیں جو یا تو اپنی سادگی کی وجہ سے اہل کتاب کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتے نہیں تھے یا اپنی کمزوری کے سبب سے ان سے اپنے پچھلے روابط توڑنا نہیں چاہتے تھے درآنحالیکہ اس مرحلے میں اہل کتاب کے تعلقات کسی مسلمان کے ساتھ مخلصانہ نہیں رہ گئے تھے۔ بلکہ جس حد تک بھی تھے محض سازشانہ اغراض و مقاصد کے لیے تھے۔ اس وجہ سے قرآن نے نہایت واضح الفاظ اور بالکل قطعی لب و لہجہ میں متنبہ کیا کہ اے ایمان والو اپنے سے باہر والوں کو اپنا محرم راز نہ بناؤ۔ یہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے یہ اس بات کے خواہشمند نہیں ہیں کہ تمہیں تمہارے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو۔ بلکہ یہ تمہارے لیے زحمتوں اور پریشانیوں کے آرزومند ہیں۔ ان کی دشمنی ان کی باتوں سے ہی ظاہر ہو چکی ہے لیکن دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے

زیادہ سخت و شدید ہے۔ فرمایا کہ ہم نے یہ بات اچھی طرح کھول کر سمجھا دی ہے۔ اب بھی اگر تم نہ سمجھے تو اس کا خمیازہ بھگتو گے۔

اس کے بعد غیرت دلائی ہے کہ تم تو ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو لیکن وہ تم سے ذرا محبت نہیں کرتے حالانکہ تم پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور تمام نبیوں پر ایمان لائے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب تم سے ملتے ہیں تو تمہیں دھوکا دینے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں[1]، اور جب اپنوں کے اندر ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

اسی بیچ میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان دانت پیسنے والوں کو مخاطب کر کے کہلا دیا کہ تم اسی غیظ و غضب کی بھٹی میں چاہو تو جل کر مر جاؤ لیکن تم اسلام کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اوپر والا سلسلۂ کلام پھر لے لیا اور فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو انہیں رنج ہوتا ہے اور اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی اور ان باتوں سے بچتے رہے جن سے بچتے رہنے کی تمہیں نہایت واضح ہدایات دے دی گئی ہیں تو ان کی چالیں تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی ساری سرگرمیوں اور ساری چالوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس آخری ٹکڑے کی مزید وضاحت کے لیے اسی سورہ کی آیات ۱۲۰ اور ۱۸۶ پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ ان تتقوا کے تحت ابن جریرؒ کا ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں جس تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اس میں سب سے مقدم "لا تتخذوا بطانۃ من دونکم" کی ہدایات پر عمل ہے یعنی کفار کو اپنا محرم راز بنانے سے احتراز۔

(حاشیہ: صبر اور تقویٰ ہی کامیابی کی ضمانت ہے)

بقیہ صفحہ ۱۵ ہمارے نزدیک آپ کے اقدام کا اصل محرک یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ نے ایک طرف تو ہماری تصویر ہمارے سامنے رکھی ہے اور دوسری طرف اس کے ارکان نے ہمارے ہاتھ میں ہمارے ہی بکے ہوئے لٹریچر کا آئینہ بھی پکڑا دیا ہے۔ اب جب اس آئینہ میں ہم اپنی صورت دیکھتے ہیں تو وہ بڑی ہی بھیانک نظر آتی ہے۔ ہم یہ ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہیں کہ فی الواقع ہماری صورت ہی مسخ ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے اس کے سوا چارہ نہیں کہ یہ آئینہ ہی توڑ کر پھینک دیا جائے اور ساتھ ہی ان لوگوں کے سر بھی توڑے جائیں جو یہ تصویر اور یہ آئینہ ہمارے سامنے لائے ہیں۔

(دستخط) امین احسن اصلاحی

---

[1] اس کی وضاحت ہم سورہ بقرہ میں کر چکے ہیں، وہاں دیکھئے۔

مقالات

خالد مسعود

دین میں زکوٰۃ کا مقام

دین کے کسی طالب علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ دین کے نظام میں زکوٰۃ ایک نہایت بلند مقام رکھتی ہے۔ ارکان اسلام میں ثانی اس کا شمار ہے ہی، قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے ابتدائی نقطے دو ہی ہیں، ایک نماز اور دوسرا زکوٰۃ۔ ایمان لانے کے بعد دین کا آغاز انہی دو نقطوں سے ہوتا ہے اور شریعت کا کوئی دوسرا حکم ان میں سے کسی کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے نماز اور زکوٰۃ کو اسلام کی علامات بھی قرار دیا گیا۔ مثال کے طور پر مشرکین عرب کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت تھی کہ ان کو اسلام کا مطیع کریں۔ اس سلسلہ میں اعلان برائت کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت کے استعمال کی اجازت دے دی گئی تو اس میں یہ استثنار رکھا گیا کہ اگر یہ لوگ آپ پر ایمان لا کر نماز اور زکوٰۃ کے دو احکام کو قبول کر لیں تو پھر ان پر کوئی گرفت نہ کی جائے۔ فرمایا

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (توبہ ۔ ۵)

"پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو"

اس آیت کے تحت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے بارے میں جو اعلان فرمایا، اس کا بیان حدیث میں یوں ہوا ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے برابر لڑتا رہوں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں۔ جب وہ ایسا کریں تو ان کا خون اور مال مجھ سے محفوظ ہو جائے گا ماسوائے اسی کے حق کی خاطر اور حساب ان کا اللہ کے ہاں ہوگا"۔ (مسلم)

دوسری آیت میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ایک شخص کے دعوائے ایمان کو قبول کیا جائے، اس کو مسلمان شہری کے تمام قانونی حقوق دیئے جائیں اور اس کی سابقہ زندگی کی بنا پر اس کو مشتبہ فرد قرار نہ دیا جائے۔ فرمایا

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا

پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور

الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ ۱۱) زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں "

قرآن مجید میں دین کی مجمل تعبیر کے لئے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہی کی اصطلاحیں بکثرت استعمال ہوئی ہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بسا اوقات لوگوں سے بیعت لیتے وقت بھی دین کی اسی تعبیر کو اختیار فرماتے مثلاً مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جریرؓ کہتے ہیں کہ "میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور مسلمان کو خیر خواہی کرنے پر بیعت کی"

دین کی یہ تعبیر بلاوجہ اختیار نہیں کی گئی ہے بلکہ دیکھا جائے تو ایمان کی حقیقت نماز اور زکوٰۃ ہی سے وجود میں آتی ہے اور انہی دو بنیادوں پر شریعت کی پوری عمارت تعمیر ہوجاتی ہے۔ دین کا مدعا یہ ہے کہ ایک بندے کا تعلق ایک طرف کائنات کے خالق کے ساتھ اور دوسری طرف انسانوں کے ساتھ صحیح بنیادوں پر قائم ہوجائے۔ خالق کائنات کے ساتھ یہ تعلق شکر گزاری اور محبت کے جذبات سے قائم ہوتا ہے اور اس کے اظہار کی سب سے زیادہ فطری اور محسوس شکل نماز ہے جس میں آدمی ہمہ تن عاجزی و فروتنی بن جاتا ہے۔ بندوں کے ساتھ تعلق کی بنیاد مواساۃ اور محبت ہے۔ اس کے اظہار کی ایک محسوس شکل ان کے لئے مالی قربانی ہے جس کی شکلیں شریعت نے زکوٰۃ و صدقات کی صورت میں تجویز کی ہیں۔ ایک بندہ جب نماز اور زکوٰۃ کا پابند ہوجاتا ہے تو گویا وہ پروردگار کے لئے عجز و انکسار اور انسانوں کے لئے محبت و مواساۃ کی تربیت پاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ خالق اور مخلوق دونوں کے باقی حقوق کی ادائیگی اپنے لئے سہل پاتا ہے۔ اس طرح نماز اور زکوٰۃ نہ صرف شریعت کے باقی احکام کی بنیاد فراہم کرتی ہیں بلکہ اس پر چلنے کی راہ کو آسان بھی کر دیتی ہیں۔ پس اگر قرآن نے نماز و زکوٰۃ سے شریعت کو تعبیر کیا ہے یا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انہی دو حکموں کی بیعت پر اکتفا کیا تو اس میں کسی اچنبھے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی ایمان کا دعوے دار زکوٰۃ کا منکر نہیں ہوسکتا اور دین میں بلند درجات حاصل کرنے کے لئے دوسری چیزوں کے علاوہ ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے ادائیگی زکوٰۃ کو ان کی ایک مستقل صفت کے طور پر بیان کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ یہ کام عزم و ارادہ اور اہتمام کیساتھ کرتے ہیں فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ (مومنون ۴) اور (فلاح پاگئے وہ مومن) جو زکوٰۃ پر کاربند ہیں۔

انکار زکوٰۃ اور نفاق

شریعت اسلامیہ میں زکوٰۃ کی مذکورہ حیثیت کے پیش نظر ان لوگوں کی ضلالت کا قیاس کرنا چنداں مشکل نہیں جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور اس فرض کی ادائیگی میں لیت و لعل کرتے ہیں تاہم

اس گمراہی کے نتائج و عواقب کے بارے میں یہاں چند باتیں کہنا بے جا نہ ہوگا۔

زکوٰۃ سے دامن چھڑانے والے شخص کی گمراہی محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ نادانستہ طور پر ایک ایسے رستے پر پڑ جاتا ہے جس کی پہلی منزل نفاق ہے گویا ایسا آدمی بظاہر تو بطائف الحیل اپنی کمائی کا ایک حصہ بچانے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس کا یہ فعل ایک علامت ہوتی ہے اس بیماری کی جو نہ معلوم کتنے پردوں کے اندر اس کے دل میں نشو ونما پا رہی ہوتی ہے۔ یہ بیماری آدمی کے دل کا اس طرح احاطہ کر لیتی ہے کہ وہ صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ دین کے دوسرے واجبات کے بارے میں بھی منافقت کی روش اختیار کرنے لگتا ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کے ایک گروہ کے متعلق یوں وارد ہوا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ (توبہ ۷۵ - ۷۷)

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ دیا کریں گے اور نیکوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے نوازا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور منہ موڑ کر عہد سے پھر گئے پس خدا نے ان کو دلوں میں نفاق ڈال دیا اس روز تک کیلئے جس میں وہ خدا کے روبرو حاضر ہوں گے کیونکہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

یعنی یہ لوگ اپنی مالی پریشانیوں کے زمانہ میں تو خدا سے التجائیں کر کے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیگا تو اس کی راہ میں خرچ کرنا ان کا شیوہ ہی ہوگا مگر جب فی الواقع خدا نے ان پر رزق کے دہانے کھول دئے تو پھر گئے یہ اپنے مال کو سینت سینت کر رکھنے جب مالی واجبات کا تذکرہ ان کے سامنے ہوتا تو یہ اس سے اس قدر بے تعلقی ظاہر کرتے جیسے یہ تو اس کے مخاطب ہیں ہی نہیں پس خدا کا فضل پانے کے بعد دین کے واجبات کے معاملہ میں یہ سرد مہری اپنے جلو میں نفاق کی مصیبت ان پر لے آئی۔

سورہ توبہ میں مومنین اور منافقین کی صفات کے تقابل میں جہاں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی

ہے کہ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ (وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں) وہاں منافقین کے ضمن میں فرمایا ہے یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَہُمْ (وہ اپنے ہاتھ بند کئے رہتے ہیں) یعنی دین کے مالی مطالبات کے معاملہ میں بخالت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔

دین کے مالی واجبات کی ادائیگی میں سستی کے نتیجہ میں نفاق کی مصیبت جو پیچھے لگ جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، دین کا بالکل بنیادی حکم ہے اور یہ دین کا اولین تقاضا ہے جس میں آدمی کو عملاً ایک قربانی کرنی پڑتی ہے اور اپنی کمائی کے ایک حصہ سے جدا ہونا پڑتا ہے خالی عبادات کو تو آدمی نبھا لیتا ہے خصوصاً جب ان کے ساتھ کوئی بڑی منفعت وابستہ ہوتی ہے مگر مالی قربانی کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے اس کو ظاہر داری کیلئے نباہنا بھی بہت بڑی آزمائش ہے اس لئے جس مسلمان کے دل میں اسلام کے لئے یہ پہلی قربانی دینے وقت ہی ملال آگیا اسکے اندر اسلام کے دوسرے عملی تقاضوں کیلئے اخلاص آخر کہاں سے آئیگا؟ ایسا شخص دین کا ساتھ اسی وقت تک دیگا جب تک اس کا مطالبہ صرف چند ظاہری اعمال تک محدود ہو جونہی دین کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ اپنی کسی منفعت سے دست بردار ہو جائے۔ وہاں اس شخص کی وفاداریوں کا مرکز بھی بدل جائیگا اور یہی چیز نفاق ہے۔ اس کے برعکس جس مسلمان کا پہلا قدم اخلاص وللہیت کے صحیح جذبہ کے ساتھ اٹھ گیا، اس کے لئے دین کی راہ میں مزید جاں بازیاں دکھانا چنداں مشکل نہیں ہوتا۔

انکار زکوٰۃ اور شرک

زکوٰۃ کی ادائیگی سے جی چرانے کے نتیجہ میں نفاق کی بیماری کا پیدا ہونا گمراہی کی صرف ایک منزل ہے۔ قرآن مجید نے اس سے آگے کی ایک اور منزل کا پتہ بھی دیا ہے اور وہ زکوٰۃ کی شرک کے ساتھ مناسبت ہے فرمایا وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ (حم سجدہ) (اور ہلاکت ہے ان مشرکوں کیلئے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں")

مالدار طبقہ کے ایک بڑے حصے کی ہمیشہ سے یہ غلط فہمی رہی ہے کہ انہیں جو کچھ حاصل ہے وہ ان کی عقل و دانش اور محنت و صلاحیت کی بدولت ہے اور دنیا میں جو مفلس پائے جاتے ہیں وہ اپنی نااہلی کے سبب سے ہی اس قابل کہ روزی میں تنگی ان کے مقدر میں ہوتی۔ یہ لوگ اپنے نام و نمود کے لئے تو سب کچھ کر گزرتے ہیں مگر جہاں غربا و مساکین کے ساتھ ہمدردی اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا معاملہ درپیش ہوتا ہے ان لوگوں کا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ یہی وہ تصورات ہیں جن کا ایک ایک جزو دین کی تعلیمات کے خلاف ہے اور جن کے تحت جب کوئی شخص زکوٰۃ کو غیر ضروری اور نارروا حکم قرار دینے لگتا ہے تو اس کا یہ فعل اسے شرک کی حدود میں لا داخل کرتا ہے۔ اس معاملہ میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ رزق کی کشادگی کو اپنی محنت و صلاحیت کا ثمرہ سمجھنے کی بجائے خدا کا فضل سمجھا جائے اور اس کو خدا کی امانت کی حیثیت سے ان ہی مدوں میں خرچ کیا جائے جن کا حکم خدا نے دیا ہے۔

تحریکِ جماعت اسلامی — (۲)

اسرار احمد

نقضِ غزل

— (۲) —

ارکان جائزہ کمیٹی کے نام مولانا مودودی صاحب کا یہ "الزام نامہ" نہ صرف "جمہوریت" اور "شورائیت" اور عدل و انصاف بلکہ ——— راست معاملگی (FAIR DEALING) تک کی نفیِ کامل تھا۔ اس کے بین السطور سے مولانا موصوف کی جو ذہنی کیفیت سامنے آتی ہے اور ان کا جو طرزِ عمل ظاہر ہوتا ہے وہ شاید اس بدنام زمانہ ماہرِ علم سیاسیات کی روح کے لئے تو موجبِ مسرت و شادمانی ہوا ہو جسے دنیا میکیاویلی کے نام سے یاد کرتی ہے — باقی جس کے علم میں بھی یہ "حکمنامہ" آیا وہ حیران و پریشان اور ششدر و مبہوت ہو کر رہ گیا — ! ارکانِ جائزہ کمیٹی کے لئے تو یہ اتنی شدید ذہنی و روحانی کرب و اذیت کا موجب تھا ہی جس سے وہ ایک صدمے کی سی حالت سے دوچار ہو گئے ———

——— خود مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے علم میں جب یہ آیا تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا اور خود ان ہی کی اس زمانے کی بیان کی ہوئی تفصیل کے مطابق، ان کا یہ حال ہو گیا کہ جیسے ایکدم ہاتھ پیر جواب دے گئے ہوں۔ تقریباً سولہ سترہ سال جس جماعت کے لئے اپنی صلاحیتوں اور اوقاتِ عزیز کا اکثر و بیشتر حصہ صرف کیا تھا اچانک اس کا یہ انجام نگاہوں کے سامنے آیا کہ جیسے یہ اب منتشر ہوا چاہتی ہے اور ایک شخص کی زخم خوردہ انانیت ہی، اس کے شیرازے کو منتشر کرنے پر تُل گئی ہے۔ مولانا ان دنوں فرمایا کرتے تھے کہ بار بار خیال آتا تھا کہ جاؤں اور مولانا مودودی کو سمجھاؤں کہ وہ اس اقدام سے باز آجائیں پھر سوچتا تھا کہ ان کی اس تحریر کے بعد اصلاح کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ مولانا کے اپنے الفاظ میں :-

"میں وہ ہوں کہ میری آنکھیں انتہائی تاریکی میں بھی روشنی ڈھونڈھ نکالتی ہیں، لیکن اس وقت مجھے بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی"

بارہا ایسا ہوا کہ مولانا اصلاحی صاحب نے مولانا مودودی سے ملنے کو جانے کے لئے کپڑے تبدیل کر لئے

پھر مایوسی کا غلبہ ہوا، اور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ آخر کار کسی نہ کسی طرح ہمّت کر کے مولانا اصلاحی صاحب نے دو ایک ملاقاتوں میں مولانا مودودی کو اس اقدام کی غلطی اور ہلاکت آفرینی کی جانب متوجہ کیا۔ مولانا مودودی ہر بار مزید غور کرنے کا وعدہ کر کے ٹالتے رہے۔ چند دن بعد جب مولانا اصلاحی صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ جائزہ کمیٹی کے ایک رکن جن کو کسی وجہ سے اب تک "الزام نامہ" نہیں پہنچایا جا سکا تھا، ان کو بھی پہنچا دیا گیا، تو پھر مجبوراً مولانا اصلاحی صاحب نے اپنا وہی قلم جو ایک طویل عرصے سے مولانا مودودی کی حمایت اور ان کی جانب سے مدافعت میں استعمال ہوتا رہا تھا، اٹھایا اور ایک ماہر دستور و قانون کی حیثیت سے مولانا مودودی کے اس الزام نامے کا "محاکمہ" تحریر کیا ——— یہ طویل تحریر اس قابل ہے کہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہے اس لئے من و عن درج ہے:۔

"محترم امیر جماعت اسلامی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

قیم جماعت اسلامی نے آپ کا جو نوٹس آپ کے دستخط کے ساتھ جائزہ کمیٹی کے ارکان کے نام ۱۵؍ دسمبر ۵۶ء کو بھجوایا ہے اس کے متعلق میں آپ سے ملاقات کر کے اپنے خیالات زبانی آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔ آپ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ آپ غور کر کے اپنے جوابات سے مجھے آگاہ فرمائینگے۔ چونکہ آپ کا یہ اقدام نہایت اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے اس وجہ سے میں نے گذارش کی تھی کہ آپ جس قدر جلدی ممکن ہو سکے، مجھے اپنے جواب سے آگاہ فرمائیں گے۔ لیکن ایک ہفتہ سے زیادہ مدت گذر جانے کے بعد بھی نہ تو مجھے آپ کا جواب ہی معلوم ہو سکا نہ بظاہر آپ نے اپنے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس ہی لیا اور نہ وہ افسوسناک پروپیگنڈا ہی بند ہوا جو شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف آپ کے مرکزی اسٹاف، بعض ارکان شوریٰ اور بعض امرائے حلقہ کی طرف سے جماعتی حلقوں میں جاری ہے اور جس سے نہ صرف شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف بلکہ شوریٰ کے بہت سے ایسے ارکان کے خلاف ایک مخالفانہ فضا تیار کی جا رہی ہے، جن کی ثقاہت، جن کی اصابت رائے اور جن کے اخلاص و تقویٰ پر جماعتی حلقوں میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ میں آپ کی اس خاموشی کو اس بات پر محمول کرتا ہوں کہ میری معروضات آپ کا ذہن تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور آپ نہ صرف یہ کہ اپنا فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں ہیں بلکہ مجھے کسی جواب کا مستحق بھی خیال نہیں فرماتے ہیں۔ اگرچہ اپنے اور جماعت کے ایک دیرینہ خادم کے ساتھ آپ کی یہ بے اعتنائی ایک افسوسناک بات ہے اور دل نہیں چاہتا کہ اس بارے میں کچھ مزید عرض کروں لیکن جماعت اور امیر کے ساتھ خیر خواہی کا جو عہد میں نے اپنے رب کے ساتھ کیا ہے وہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ جو کچھ

میں جماعت کے لئے اور خود آپ کے لئے حق اور بہتر سمجھتا ہوں اس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اب تک جو کچھ میں عرض کرتا رہا ہوں وہ زبانی عرض کرتا رہا ہوں لیکن اب کے میں نے تحریر کا راستہ اختیار کیا ہے کہ شاید اس طرح میں اپنی بات زیادہ بہتر طریقہ پر پیش کر سکوں۔

میں نے آپ کے مذکورہ نوٹس (جس کو اس کے مزاج اور انداز کے لحاظ سے ایک فرمان کہنا شاید بے جا نہ ہو) کو گھر پر آکر دوبارہ پڑھا اور اس کے تمام پہلوؤں پر بار بار غور کیا۔ اس بار بار کے غور و فکر کے بعد بھی میری رائے وہی ہے جو میں آپ سے زبانی عرض کر چکا ہوں۔ میرے نزدیک آپ کا یہ پورا نوٹس استدلال و استنتاج کے لحاظ سے بالکل غلط، مصالح کے اعتبار سے جماعت کے لئے نہایت مہلک، عدل و انصاف کے لحاظ سے یہ ان کے ابتدائی تقاضوں کے احترام سے بھی خالی ہے اور دستوری و آئینی نقطۂ نظر سے تو جب میں اس پر غور کرتا ہوں تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہم جو اسلامی جمہوریت و شورائیت کی ایک مثال قائم کرنے کا حوصلہ لے کر اٹھے تھے، ابھی اس کی پہلی جھلک بھی ہم کو دیکھنی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ شاید ہمارے جی اس سے بھر چکے اور ہم اس کی جگہ پر ایک ایسی فسطائیت کا تجربہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں جس کی نظیر کم از کم ماضی و حاضر میں تو کوئی اور نہ مل سکے۔ جب میں آپ کے نوٹس کے اس پہلو پر غور کرتا ہوں تو دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسلامی جمہوریت اور شورائیت کی شان میں اپنی تحریروں میں ہم اب تک جو قصیدہ خوانیاں کرتے رہے ہیں وہ محض مشق سخن کے طور پر تھیں یا محض اپنے ملک کے ارباب اقتدار کو ہدف ملامت بنانے کے لئے۔ ورنہ اس اقدام سے پہلے آپ اس سوال پر ضرور غور کرتے کہ آپ کے اس اقدام کے بعد اس شوریٰ اور دستور کا کیا حشر ہوگا جس پر ہم نے جماعت کی عمارت کھڑی کی تھی۔

اب میں آپ کے اس نوٹس کے ایک ایک جزو پر اختصار کے ساتھ وہ باتیں عرض کرتا ہوں جو کم و بیش زبانی آپ کی سامنے عرض کر چکا ہوں اور مقصود اس گزارش سے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، محض یہ ہے کہ ایک شدید ترین غلطی پر جو جماعت کے لئے بالکل تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے، آپ کو متنبہ کروں۔

۱۔ آپ نے اس نوٹس کے نمبر ۱ اور ۲ کے تحت جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی، جو غیر مطمئن ارکان کے خیالات معلوم کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی، دراصل خود غیر مطمئن بلکہ انتہائی غیر مطمئن ارکان پر مشتمل تھی، اس اہم کام کے لئے اس طرح کی کمیٹی کا مقرر کیا جانا کسی طرح مناسب نہ تھا لیکن چونکہ کمیٹی مقرر کرتے وقت ان ارکان کی اس بے اطمینانی اور ان کی انتہاپسندی کا نہ ارکان شوریٰ کو اندازہ تھا اور نہ آپ کو، اس لئے کسی کو اس کی ترکیب کے غلط ہونے کا اندازہ

نہیں ہوا۔

مجھے جائزہ کمیٹی کے ارکان پر آپ کا یہ تبصرہ مختلف پہلوؤں سے عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ارکان، جماعت میں کوئی نووارد ارکان نہیں تھے بلکہ ان میں سے تین تو وہ ہیں جو غالباً ابتدا سے یا کم ازکم تقسیم کے پہلے سے نہ صرف جماعت کے رکن ہیں بلکہ ہر مرحلہ میں مجلس شوریٰ میں آپ کے ساتھی اور رفیق رہ چکے ہیں۔ ایک صاحب اگر ابتدا سے نہیں تو کم ازکم آٹھ نو سال سے تو جماعت میں ضرور ہیں اور اس دوران میں ان کی زندگی کا بڑا حصہ ایسا گزرا ہے جس میں شوریٰ میں ہم ان کے نظریات وخیالات کا برابر تجربہ کرتے رہے ہیں۔ پھر ان میں سے دو وہ ہیں جو نہ صرف جماعت کی تمام اہم ذمہ داریوں کے اٹھانے میں آپ کے دست وبازو رہے ہیں بلکہ انہوں نے نہایت نازک ادوار میں جماعت کی امارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ایسی خوبی سے نبھائی ہیں کہ پوری جماعت نے ان کے استقلال، ان کی اصابت رائے اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ان میں سے مولانا عبدالغفار حسن صاحب ابھی چند ماہ ہوئے ہیں آپ کے سفرِ حج کے موقع پر خود آپ ہی کے انتخاب سے، جماعت کے قائم مقام امیر رہ چکے ہیں نیز آپ کے شعبۂ تربیت کے ناظم اور شوریٰ کی مقرر کردہ ایک اہم عدالت کے صدر ہیں۔ اگر اتنی گوناگوں آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بھی آپ اور ارکان شوریٰ اپنے ان دیرینہ رفیقوں کی "شدت" "انتہا پسندی" اور ان کی "انتہائی بے اطمینانی" کا کوئی اندازہ نہ کرسکے تو میں نہایت ادب سے یہ عرض کروں گا کہ ہمیں ان ارکان کی بے اطمینانی پر افسوس کرنے کی بجائے خود اپنے کودن ہونے پر سر پیٹنا چاہیئے۔ اطمینان وبے اطمینانی اور شدت وانتہاپسندی ایسے اوصاف نہیں ہیں جو صبح وشام کے اندر پیدا ہوتے اور ختم ہوتے ہوں۔ بالخصوص ان لوگوں کے اندر جو اپنی زندگی کے تلوّن کے زمانے گزار چکے ہوں اور جماعت کی خدمت میں جن کے سیاہ بال اب یا تو سفید ہو چکے ہیں یا سفید ہو رہے ہوں۔ ایسے آزمودہ لوگوں کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ نہ صرف آپ کو بلکہ شوریٰ کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ انتہائی غیر مطمئن اور انتہاپسند ہیں، جب ان لوگوں نے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش کی ہے تب یہ انکشاف ہوا کہ یہ لوگ سخت غیر مطمئن اور انتہا پسند تھے۔ آخر کس معقول آدمی کے ذہن میں یہ بات اتر سکتی ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کوئی ایسی کمیٹی نہیں تھی جو دفعتاً بنی ہو اور آناً فاناً

اس نے اپنا کام ختم کیا ہو اور پھر رپورٹ پیش کر کے فارغ ہو بیٹھی ہو کہ اس کے ارکان کے متعلق رواداری میں کوئی صحیح رائے قائم نہ کی جا سکی ہو اور اسی سبب سے اس کی ترکیب بالکل غلط ہو گئی ہو۔ اس قطرہ کے گہر ہونے پر تو ایک مدت گزری ہے اور اس کے پیچھے ایک پوری تاریخ بن چکی ہے۔ اس کمیٹی کا تقرر کراچی کے اجتماع سالانہ (۱۹۵۵ء) کے موقع پر ہوا تھا لیکن اس کے کام شروع کرنے سے پہلے ہی راولپنڈی اور لائل پور کے حلقوں کے بعض مخصوص لوگوں نے اس کمیٹی کے بعض ارکان کے خلاف اعتراضات اٹھائے کہ وہ چنیں ہیں اور چناں ہیں اور افسوس ہے کہ ان کی اس مہم میں بعض ذمہ دارانِ مرکز بھی شریک ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مارچ ۱۹۵۶ء کی شوریٰ میں یہ کمیٹی توڑ دی گئی اور اس کی جگہ پر آپ نے اور پوری شوریٰ نے بسلامتی ہوش و حواس ایک دوسری جائزہ کمیٹی مقرر کی جو تمام غیر مطلوب عناصر سے پاک تھی۔ اس کے ارکان پورے اتفاقِ رائے سے منتخب کئے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ غازی صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کسی طرح بھی اس کمیٹی میں شریک ہونے پر راضی نہیں تھے لیکن ان کو شوریٰ اور آپ کی طرف سے راضی کیا گیا اور سلطان صاحب تو شوریٰ میں موجود بھی نہیں تھے، ان کا انتخاب ان کی عدم موجودگی ہی میں ہوا۔ مجھے یہ بات بھی اچھی طرح یاد ہے کہ اس کمیٹی کے حدودِ کار بھی آپ نے خود قلمبند کرائے۔ لیکن ان تمام ترمیمات و اصلاحات کے بعد بھی جو اصحاب پہلی کمیٹی سے مطمئن نہیں تھے وہ اس دوسری کمیٹی پر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور اس کے خلاف مہم چلاتے رہے اور افسوس ہے کہ نہ معلوم کن مصالح کے تحت خود مرکز کے بعض ذمہ دار حضرات اس مرتبہ بھی اس مہم کو تقویت پہنچانے میں شریک ہو گئے جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کمیٹی کو مختلف حلقوں میں طرح طرح کی بدگمانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ ایک ایسی کمیٹی جو اتنے مراحل سے گزری ہو جو اتنے پرانے ارکان جماعت پر مشتمل ہو، اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ارکان کا کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا میرے نزدیک کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ آخر سلطان احمد صاحب، غازی محمد عبدالجبار صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سے جماعت کا کون شخص بے خبر ہو سکتا ہے۔ نہ عام ارکان ان سے بے خبر ہیں اور نہ ارکان شوریٰ ۔۔۔ اس وجہ سے یہ کہنا تو میرے نزدیک بالکل ہی غلط ہے کہ ان کا کوئی اندازہ نہیں تھا البتہ اگر آپ کہہ سکتے ہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ ایک متفقہ رپورٹ پیش کریں گے اور یہ رپورٹ اس طرح کا مواد پیش کرے گی جو اس نے پیش کیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کمیٹی کے ارکان کا غیر مطمئن ارکانِ جماعت کی رائے سے متفق ہونا اس

بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ لازماً وہ سب کے سب پہلے ہی سے غیر مطمئن ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض جماعت کے حالات کے بارے میں پوری طرح مطمئن رہے ہوں یا کم از کم یہ کہ کچھ زیادہ غیر مطمئن نہ رہے ہوں لیکن پوری تحقیقات کے بعد ان کے سامنے جو مواد آیا ہو اس نے ان کو غیر مطمئن بنا دیا ہو۔ کم از کم ڈاکٹر کے بارے میں تو میرا تاثر یہی ہے کہ وہ کچھ زیادہ غیر مطمئن نہ تھے۔ بلکہ دوسرے بہت سے محتاط ارکان کی طرح وہ صرف یہ سمجھ رہے تھے کہ جماعت کے اندر کچھ غلط رجحان پرورش پا رہے ہیں جو متعین شکل میں ان کے سامنے نہیں تھے۔ لیکن جائزہ کے بعد جو حالات ان کے سامنے آئے وہ ان کو دیکھ کر واضح طور پر یہ سمجھ سکے کہ درحقیقت صورتِ حال کیا ہے؟ یہ بے اطمینانی ایک بالکل قدرتی چیز ہے جو اس رپورٹ کے پیش کردہ مواد سے ہر اس رکنِ شوریٰ کے دل میں پیدا ہوئی جس نے اس کا مطالعہ بغیر کسی بدگمانی کے کیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی رپورٹ کو پیش کرتے وقت جائزہ کمیٹی کے ارکان کا ایک ہی نقطۂ نظر کے ساتھ مجلسِ شوریٰ کے سامنے نمایاں ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر ان کو مطعون کیا جائے اور اس بنیاد پر ان کو سازشی قرار دے کر ان کو سزا دی جائے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم اس بات کے خواہش مند تھے کہ وہ آپس میں اختلاف کریں لیکن جب انہوں نے اختلاف نہیں کیا تو ہم ان سے بدگمان ہو بیٹھے کہ انہوں نے کوئی سازش کر ڈالی ہے۔ حالانکہ ان کا اتفاق جس چیز پر ہے وہ صرف اس مواد کے پیش کر دینے پر ہے جو جائزہ کے بعد ان کے سامنے آیا ہے یا اس بات پر ہے کہ جماعت کی موجودہ حالت کسی طرح بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس پر ایک دو ارکانِ شوریٰ کے سوا سب ہی ان کی رائے سے متفق ہیں۔ جہاں تک موجودہ خرابیوں کے اسباب کا تعلق ہے اس سے سرے سے انہوں نے کوئی بحث ہی نہیں کی کہ اس بارے میں ان کا اتفاق یا اختلاف ہمارے سامنے آسکتا۔ جماعت کی پالیسی سے متعلق انہوں نے جو تقریریں کیں ہیں سے صاف معلوم ہوا کہ اس بارے میں وہ باہم متفق نہیں ہیں۔ غازی صاحب کی رائے تو ان کی علالت کے باعث ہمارے سامنے آ ہی نہ سکی، رہے سلطان احمد صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب، تو انہوں نے جو تقریریں کیں اس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ تینوں الگ الگ نقطۂ ہائے نظر رکھتے تھے۔ عبدالرحیم اشرف صاحب کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ تقسیم ملک کے بعد ہم اپنے اصل نصب العین سے منحرف ہو گئے ہیں لیکن بقیہ دونوں ارکان نے کسی انحراف کو تسلیم نہیں کیا صرف بعض تدابیر کو غلط قرار دیا اور شوریٰ نے اسی نقطۂ نظر سے اتفاق

کیا۔ شوریٰ کے اتفاق کے بعد حکیم صاحب بھی اس سے متفق ہو گئے۔ اس وجہ سے یہ کہنا کہ وہ ایک جتھہ بندی کر کے سامنے آئے میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بالفرض ایک رائے پر وہ متفق بھی ہوتے جب بھی اس کو جتھہ بندی نہیں کہہ سکتے۔ اس اتفاق کو جتھہ بندی وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان کے اختلاف کا متمنی رہا ہو، لیکن جب اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو اس نے ان پر جتھہ بندی کا الزام جڑ دیا۔

۴۔ آپ کا یہ کہنا بھی مجھے عجیب معلوم ہوتا ہے کہ خود جائزہ کمیٹی کے ارکان کا یہ فرض تھا کہ وہ آپ کو اس امر سے آگاہ کرتے کہ وہ ایک ہی طرزِ فکر رکھنے والے لوگ ہیں اس وجہ سے اس کمیٹی میں دوسرے طرزِ فکر کی نمائندگی بھی ہونی چاہیئے۔ جب بار بار کے توڑ پھوڑ کے باوجود خود آپ کو اور مجلس شوریٰ کو بھی آپ کے بقول یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ ایک ہی طرزِ فکر کے لوگ ہیں تو خود جائزہ کمیٹی کے ارکان کو بھی اگر یہ اندازہ نہ ہو سکا ہو کہ ہم ایک ہی طرزِ فکر کے لوگ ہیں تو کیا عجیب بات ہے۔ ممکن ہے جس طرح آپ کو ان کی رپورٹ ہی سے پہلی بار اندازہ ہوا کہ یہ سب ایک ہی سانچہ کے ڈھلے ہوئے نکلے اسی طرح انہیں بھی اپنی رپورٹ مرتب کرتے ہی وقت یہ علم ہوا ہو کہ الحمدللہ ہم میں اس رپورٹ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسی حالت میں وہ پہلے سے آپ کو کس طرح بتا دیتے کہ ہم ایک ہی طرزِ فکر کے لوگ ہیں، مبادا ہم کوئی سازش یا جتھہ بندی کر ڈالیں اس وجہ سے ہمارے ساتھ کچھ دوسرے طرز کے لوگوں کو بھی شامل کیجئے۔ علاوہ ازیں میں اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جائزہ کمیٹی کی تشکیل کرتے ہوئے نہ شوریٰ نے پہلی مرتبہ اس حقیقت کو نظر انداز کیا تھا کہ اس کمیٹی میں شوریٰ کے ہر طرزِ فکر کی نمائندگی ہونی چاہیئے اور نہ دوسری مرتبہ اس کو نظر انداز کیا۔ اس توازن کو قائم رکھنے کی خواہش اور کوشش دونوں مرتبہ ملحوظ رہی بلکہ پہلی کمیٹی توڑی ہی اس وجہ سے گئی تھی کہ بعض لوگ اس کو غیر متوازن سمجھتے تھے۔ اب یہ اور بات ہے کہ جائزہ کمیٹی کے کام کو اپنے مسلک کے خلاف پا کر ہم یہ کہنے لگیں کہ اس کی تشکیل ہی غلط تھی اور اس تشکیل پر اس کے خاموش رہنے کو بھی اس کی ایک سازش قرار دیں کہ آخر اس نے اپنی تعمیر کی اس مضر خرابی سے آپ کو آگاہ کیوں نہ کیا؟

مجھے آپ کی یہ شکایت بھی بالکل بے جا معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے جب کمیٹی کی اس خامی کی طرف توجہ دلائی تو کمیٹی کی طرف سے بڑی تلخی کے ساتھ اس کی مزاحمت ہوئی۔ اول تو مجھے اس بارے میں ان کی طرف سے کسی تلخ جواب کا علم نہیں ہے لیکن اگر انہوں نے آپ کی اس طرح کی کسی نشاندہی

پر تلخ جواب دیا تو آپ کو یہ برداشت کرنا چاہیئے تھا، کیونکہ یہ غلطی اگر تھی تو آپ کی اور مجلسِ شوریٰ کی تھی نہ کہ ان کی - آپ نے اور شوریٰ نے ان کو منتخب کیا اور پھر آپ ہی ان پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ تم ایک ہی طرز کے لوگ کیوں منتخب ہو گئے ، اور تم نے ایک ہی طرز پر کیوں سوچا ، لیکن مجھے تعجب ہوتا ہے کہ آپ ان کی اس تلخی کو برداشت کرنے کی بجائے ان کو سزا دینے پر تل گئے اور اس غصہ میں آپ نے دستور و آئین اور حق و انصاف سب کو لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیا۔

۴- آپ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جائزہ کمیٹی نے اپنے حدودِ کار سے کوئی تجاوز کیا - میں یہاں مقرر کردہ حدودِ کار اور جائزہ کمیٹی کے کام کی موازنہ کی بحث میں پڑے بغیر اس صورتِ حال کی یاد دہانی کافی سمجھتا ہوں جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہونے پر شوریٰ کے بالکل ابتدائی مرحلہ ہی میں پیش آئی۔ جوں ہی بحث کا آغاز ہوا آپ نے سب سے پہلے اسی سوال کو اٹھایا کہ کمیٹی نے اپنے مقررہ حدودِ کار سے تجاوز کیا ہے اور اپنے خیال کے مطابق اس کے دلائل پیش کئے - آپ اس وقت اتنے غصہ میں تھے کہ آپ کانپ رہے تھے اور لب و لہجہ نہایت تیز تھا ، میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا کہ اب جائزہ کمیٹی کی خیر نہیں ہے ، لیکن جب سلطان احمد صاحب اور عبدالرحیم اشرف صاحب نے حدودِ کار اور جائزہ کمیٹی کے کام کا موازنہ کرتے ہوئے آپ کے اعتراضات کا جواب دیا تو مجلسِ شوریٰ کے ارکان کی اکثریت (شاید ایک دو ارکان کے سوا جو خاموش رہے) ان کے جواب سے پوری طرح مطمئن ہو گئی کہ جائزہ کمیٹی نے مقررہ حدودِ کار سے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے - حد یہ ہے کہ قیمِ جماعت جو آپ کی رائے سے کسی اختلاف کو مشکل ہی سے جائز سمجھتے ہیں ، آپ کے بجائے کمیٹی کی رائے سے متفق ہو گئے - آپ نے خود بھی اس کے بعد اپنا اعتراض واپس لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں نے یہ سوال اس لئے اٹھایا تھا کہ یہ پیدا ہو سکتا تھا ، میں نے چاہا کہ اس کی وضاحت ہو جائے۔ کچھ وقفہ کے بعد ایک رکنِ شوریٰ نے جب پہلے ہی مرحلہ میں آپ کے لب و لہجہ کی اس شدت کی شکایت کی جو آپ نے یہ سوال اٹھاتے وقت ظاہر کی تھی تو آپ نے ان کے جواب میں اپنے سابق جواب ہی کا اعادہ کیا کہ آپ نے وہ سوال محض وضاحت طلبی کے لئے اٹھایا تھا - میں نے اور غالباً دوسرے ارکانِ شوریٰ نے بھی آپ کے اس جواب کو یہی سمجھا تھا ، کہ یہ آزادیِ رائے کے ساتھ اور بغیر کسی تحفظ کے دیا گیا ہے ، لیکن اب آپ کے فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ جواب اس وجہ سے دیا تھا کہ آپ کا منہ بند کر دیا گیا تھا ، اگر منہ بند کرنے سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ شوریٰ کی بڑی اکثریت نے آپ کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا اور جو آپ کے ہم خیال

تھے وہ خاموش رہے تو یہ بات تو ضرور ہوئی لیکن اس چیز کو منہ بند کرنے کی کوشش سے تعبیر کرنا تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اگر یہ منہ بند کرنا ہے تو یہ حادثہ ہر جمہوری نظام میں ہر صدر اور ہر امیر کو پیش آسکتا ہے اور پیش آتا ہے۔ اگر آپ کو بھی پیش آیا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی۔ اگر منہ بند کرنے سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ جوابوں کا انداز تیز تھا تو میں ادب سے یہ گزارش کروں گا کہ اس وقت تھوڑی سی تیزی محض اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ خود آپ کا اندازِ گفتگو بھی خاصا تیز تھا۔ بہرحال شوریٰ کی اکثریت کا آپ کے کسی نقطۂ نظر سے اتفاق نہ کرنا یا اس سے شدت کے ساتھ اختلاف کرنا آپ کا منہ بند کرنا نہیں ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اس اختلاف کو منہ بند کرنے سے کیوں تعبیر فرمایا؟

۴۔ اپنے نوٹس کے نمبر ۵ کے تحت آپ نے جائزہ کمیٹی اور شوریٰ کے بعض دوسرے ارکان کے اوپر اکٹھے کئی ایک الزامات لگائے ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی میں صحیح خیال نہیں کرتا۔ مثلاً :-

* یہ کہ کمیٹی نے ساری تحقیقات ایک مخصوص نقطۂ نظر سے کی اور اپنی رپورٹ میں جماعت کی یک رخی تصویر پیش کی۔
* یہ کہ اس نے سارے مواد کو اس طرح پیش کیا کہ جن انتہائی نتائج تک وہ شوریٰ کو پہنچانا چاہتی تھی ان کی تائید اس مواد سے حاصل ہو۔
* یہ کہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ رپورٹ کی اس مخصوص ہیئت سے مجلس شوریٰ کے ذہنی توازن پر برا اثر پڑ سکتا ہے اور آپ اس اثر سے شوریٰ کو بچانا چاہتے تھے لیکن آپ کو اس فرض کی انجام دہی سے سختی اور تلخی سے روکا گیا۔
* یہ کہ جتھہ بندی کر کے آپ کے لئے وہ حالات پیدا کئے گئے کہ آپ مخصوص لوگوں کے آلۂ کار اور ان کے اشاروں پر چلنے والے بن کر رہیں۔

یہ سارے الزامات میرے نزدیک غلط ہیں اور میں ان کے بارے میں اصل حقیقت عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

سرِ دست میں جماعت کی یک رخی تصویر سے آپ کا مطلب اگر یہ ہے کہ اس میں جماعت کے اندر پیدا ہو جانے والی خرابیوں ہی کی فہرست پیش کی گئی ہے، اس کی خوبیاں نہیں دکھائی گئی ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی درحقیقت بنی ہی اس لئے تھی کہ وہ ارکان سے مل کر ان

کی بے اطمینانیاں اور ان بے اطمینانیوں کے اسباب معلوم کرے اور اس وقت جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی تحقیقات کرے۔ اس کے ذمہ یہ کام سپرد ہی نہیں کیا گیا تھا کہ وہ جماعت کی خوبیاں اور اس کے اچھے پہلو بھی پیش کرے۔ اپنا یہ کام اس نے دو سو سے زیادہ ارکان کے خیالات معلوم کرکے انجام دیا۔ ان ارکان سے ملنے میں اس نے کوئی امتیاز نہیں برتا۔ بلکہ ہر رکن کو اجازت دی کہ جو چاہے اس کے سامنے اپنا بیان دے۔ ان ملنے والوں میں سے جن لوگوں نے جماعت کے موجودہ حالات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا، کمیٹی نے ان کے اوسط کو بھی واضح کر دیا۔ پھر یہ الزام کس طرح صحیح ہے کہ یہ جماعت کی یک رخی تصویر ہے؟ ان کے سامنے آتے ہوئے مواد سے اطمینان اور بے اطمینانی کی جو تصویر بنتی تھی وہ انہوں نے ہمارے سامنے رکھ دی۔ اب یہ بات الگ ہے کہ اس مسالہ سے جو تصویر بنی وہ ہمارے منشا کے خلاف بنی لیکن میرے نزدیک اس بدگمانی کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر اس سے مختلف مواد بھی ان کے سامنے آتا جب بھی وہ جماعت کی تصویر بگاڑنے ہی کی کوشش کرتے۔

مواد کے پیش کرنے کے اسلوب کے بارے میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس طرح کیوں پیش کیا۔ دوسری طرح کیوں نہیں پیش کیا۔ لیکن جب شوریٰ کی طرف سے اس کے پیش کرنے کی کوئی شکل معین نہیں کی گئی تھی تو جس طرح بھی انہوں نے پیش کیا، اس کے متعلق یہ بدگمانی کرنا کہ انہوں نے یہ اسلوب شوریٰ کو گمراہ کرنے اور اپنے پیش نظر نتائج تک پہنچانے کے لئے کیا میرے نزدیک ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔ اگر وہ کسی خاص نتیجہ تک شوریٰ کو پہنچانا ہی چاہتے تو آخر انہوں نے صرف ارکان کی رائیں پیش کرنے ہی پر کیوں اکتفا کیا۔ ان خرابیوں کے اسباب خود اپنی طرف سے کیوں معین نہ کئے اور ان کی اصلاح کی تدابیر کے بارے میں سفارشات کیوں نہ پیش کیں۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں ان کے حدود کار کے اندر داخل تھیں اور ہمیں یہ شکایت رہی کہ انہوں نے اس پہلو سے رپورٹ کو تشنہ چھوڑا۔ اگر فی الواقع آپ کا یہ گمان صحیح ہے کہ یہ ایک ہی طرح کے ذہن کے لوگ تھے تو ان کے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ وہ اسباب کی بھی ایک فہرست پیش کر دیتے اور اپنی اصلاحی سفارشات بھی ہمارے سامنے رکھ دیتے۔ اس طرح وہ شوریٰ کو اس سے زیادہ خوبی سے گمراہ کر سکتے تھے جتنا گمراہ انہوں نے محض یہ مواد ہمارے سامنے رکھ کر کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے تو جو کچھ کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ارکان نے جو بیانات دیئے ہیں وہ بیشتر انہی کے الفاظ میں مختلف عنوانات کے تحت نقل

کر دیئے ہیں۔ آخر اس میں سازش کا کون سا پہلو ہے؟

جہاں تک تیسرے الزام کا تعلق ہے وہ بھی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ مشکلات میں شوریٰ کی رہنمائی کرنا آپ کا ایک فریضۂ منصبی ضرور ہے لیکن ارکان شوریٰ کی رایوں پر اثر انداز ہونا غالباً آپ کے فرائض کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ آپ نے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے بارے میں جو روش اختیار کی وہ ابتدا ہی سے ارکانِ شوریٰ کے سامنے اس نوعیت سے آئی کہ یہ جماعت کی بالکل یک رخی تصویر ہے، اس میں حدود دیکار سے تجاوز کیا گیا ہے، اس میں جماعت میں پھیلی ہوئی گندگیوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے جس کے سبب سے یہ غلاظت کے ایک ٹوکرے کی شکل میں نظر آتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور مزید براں یہ کہ آپ نے اس کو اپنے خلاف ایک چارج شیٹ قرار دے کر امارت سے استعفے کی دھمکی بھی دے دی۔ آپ کے اس نقطۂ نظر سے ان چند لوگوں کے سوا جو آپ کی رایوں ہی سے اپنی رائے بناتے ہیں شوریٰ کے تمام صاحبِ فکر ارکان نے اختلاف کیا، انہوں نے آپ کے نقطۂ نظر کے برعکس جائزہ کمیٹی کی خدمات کو سراہا، رپورٹ کی اہمیت کا اظہار کیا اور اس کے ذریعہ سے جماعت کی جو تشویش انگیز تصویر سامنے آئی تھی اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی دعوت دی۔ سلطان صاحب کو تقریر کرتے وقت میں نے پہلی بار جماعت کی حالت پر پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا اور ان کے رونے نے بہتوں کو رلایا۔ غازی صاحب اس قدر روئے کہ اسی حالت میں ان پر دل کا دورہ پڑا اور ان پر تشنج کے ایسے سخت حملے ہوئے کہ ہم ان کی زندگی ہی سے مایوس ہو گئے۔ شب کے بارہ بجے ڈاکٹر بلانا پڑا۔ میں نے یہ ماجرا شوریٰ کی پوری تاریخ میں پہلی بار دیکھا۔ میری اور میری ہی طرح شوریٰ کے اکثر ارکان کی رائے یہی تھی کہ یہ تاثر اس صورتِ حال کا پیدا کردہ ہے جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے سامنے آئی تھی۔ لیکن آپ کے فرمانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ کا منہ بند کرنے کیلئے ایک ڈراما کھیلا گیا تھا، اب اس کا فیصلہ کون کرے کہ یہ سب کچھ ایک ڈراما تھا یا حقیقت!

جتھہ بندی کا الزام بھی میرے نزدیک کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ جائزہ کمیٹی کے ارکان کا جماعت کے حالات سے متعلق ایک متفقہ تاثر دینا کوئی جتھہ بندی نہیں ہے اور نہ اپنے اوپر آپکے عائد کردہ الزامات کی متفقہ طور پر مدافعت کرنا کوئی جتھہ بندی ہے۔ یہ بھی کوئی جتھہ بندی نہیں ہے کہ رپورٹ کو پڑھنے کے بعد شوریٰ کے بہت سے دوسرے ارکان بھی جماعت کی حالت کے بارے میں ان کے ہم خیال بن گئے۔ انہوں نے رپورٹ مرتب کی اور آپ کے حوالہ کی۔ آپ نے اپنے

اہتمام میں اسکو سائیکلو اسٹائل کرایا اور شوریٰ کے اجلاس سے چند گھنٹے پہلے وہ ارکانِ شوریٰ میں تقسیم ہوئی۔ ان میں سے کون سی بات ایسی ہے جس کو ان کی طرف سے جتھہ بندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ اگر شوریٰ کے دوسرے ارکان نے ان کی پیش کردہ رپورٹ کو اہمیت دی اور آپ کے ہم خیال ہو کر اس کو غلاظت کا ایک ٹوکرا قرار دینے پر راضی نہیں ہوئے، تو کیا یہ جتھہ بندی ہے؟ اور جتھہ بندی بھی وہ جتھہ بندی جس کی سزا ان کو شوریٰ سے بیک بینی و دوگوش اخراج کی صورت میں بھگتنی چاہیئے۔ کیا رپورٹ پیش کر دینے کے بعد ان کا ایک فرض یہ بھی تھا کہ وہ شوریٰ کے ارکان سے کہتے کہ آپ رپورٹ کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر سے متفق نہ ہوں ورنہ یہ جتھہ بندی ہو جائے گی اور ہمارے امیرِ جماعت کی طرف سے اس کی کم سے کم سزا شوریٰ سے اخراج ہے۔ اچھا میں نے تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا کہ یہ جتھہ بندی تھی تو کیا یہ جتھہ بندی نہیں تھی کہ آپ نے شروع ہی میں شوریٰ کو رپورٹ سے متعلق ایک مخالفانہ تاثر دے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شوریٰ کے کچھ ارکان شروع ہی سے اس بات کے لئے کمربستہ ہو گئے کہ وہ بہرحال اس کی مخالفت کریں گے اور اس کے لئے انہوں نے دلائل کے بجائے طنز و استہزا بلکہ ناگوارِ خاطر نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ پھکڑ بازی سے کام لیا اور شوریٰ کے ماحول کو بہت خراب کیا۔

اس جتھہ بندی کا مقصد آپ کا منہ بند کرنے کے سوا آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کو بعض مخصوص لوگوں کا آلۂ کار بنانا تھا۔ اگر یہ مخصوص لوگ شوریٰ سے باہر کے ہیں تب تو یہ فی الواقع ایک زیادتی ہے اور اگر آپ اسے ثابت کر سکیں تو بلاشبہ یہ ایک جرم بنتا ہے لیکن آپ نے زبانی گفتگو کے وقت مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ اس سے آپ کی مراد شوریٰ ہی کے اندر کے لوگ ہیں۔ اگر شوریٰ ہی کے اندر کے لوگ ہیں تو اس دستور کے تحت جس کی وفاداری کا آپ نے حلف اٹھایا ہے، ان کی اکثریت کا آلۂ کار بننے میں آپ کو عار نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر شوریٰ کے اندر کی کوئی اقلیت آپ سے یہ چاہتی تھی کہ آپ اس کے اشاروں پر چلیں تو آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ انکار کر دیتے۔ یہ بات دستور کے بالکل مطابق ہے اور کوئی شخص اس پر آپ کو ملامت نہیں کر سکتا۔ معاملہ کی آئینی اور دستوری حیثیت تو یہ ہے لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں جماعتِ اسلامی کی شوریٰ کی یہ ایک مستقل روایت

ہے کہ اس میں کسی مؤثر اختلاف کو نظر انداز کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ ایسی حالت میں بیچ کی کوئی ایسی راہ اختیار کی جاتی رہی ہے جس سے اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے۔ شوریٰ کی تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اس کو کبھی یہ رنگ نہیں دیا گیا کہ یہ کسی کا آلۂ کار بن جانا ہے۔ بسا اوقات ایک نقطہ نظر کی تائید میں عددی اکثریت اگرچہ نہیں ہوتی لیکن معنوی اکثریت ہوتی ہے۔ اس کا اگر لحاظ نہ رکھا جائے تو اگرچہ جماعت میں کوئی تشتت نہ بھی پیدا ہو جب بھی کسی پروگرام پر دلجمعی اور سرگرمی سے عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر اس طرح کی کسی مصلحت کے تحت آپ نے کسی فارمولے سے اتفاق کیا تو یہ بہت اچھا کام کیا۔ جماعت کو اختلاف باجمود سے بچانے کے لیے ایک دانشمند امیر کی حیثیت سے آپ کو یہی کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ جس مصلحت کو آپ نے شوریٰ کے اندر اہمیت دی وہ مصلحت شوریٰ کے ختم ہو جانے کے بعد آپ کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو گئی؟ کیا آپ کا اندازہ یہ ہے کہ شوریٰ کے متفقہ فیصلے کے خلاف آپ کا یہ اقدام اس سے بڑے تشتت کا موجب نہ ہوگا جتنا اس صورت میں متصور تھا جب کہ آپ شوریٰ کے اندر ہی مخصوص لوگوں کے اشاروں کے پابند ہونے سے انکار کر دیتے؟

۵۔ صورتِ حال کا یہ نقشہ پیش کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں، یا تو آپ استعفےٰ پیش کر دیتے یا جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا خطرہ مول لے کر اس صورتِ حال کو سختی سے دبا دیتے۔ آپ نے پہلی صورت اختیار کرنی چاہی لیکن شوریٰ نے آپ کو یہ صورت اختیار کرنے نہیں دی۔ دوسری صورت آپ نے اختیار نہ کی کہ اس سے جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خطرہ تھا۔ چار و ناچار آپ نے شوریٰ کو ان غلط نتائج پر پہنچ جانے کے لئے چھوڑ دیا، جن پر آپ کے خیال کے مطابق جائزہ کمیٹی کے ارکان اور ان کے جتھے کے سرکار، شوریٰ کو پہنچانا چاہتے تھے۔

آپ نے اپنے استعفےٰ کی جو وجہ بیان کی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں آپ سے سہو ہو رہا ہے۔ میری موجودگی میں آپ کے استعفے کی جو وجہ آپ کی جانب سے پیش کی گئی تھی وہ یہ نہیں تھی کہ کوئی جتھہ بندی ہو گئی ہے یا آپ کا منہ بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ یہ بیان کی گئی تھی کہ چونکہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ میں آپ پر بہت سے الزامات ہیں، اس لئے آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان امور پر ارکانِ شوریٰ کسی دوسرے شخص کی رہنمائی میں غور کریں تاکہ

ان کی رائے پر آپ کے اثر انداز ہونے کا کوئی سوال پیدا نہ ہو۔ ارکان شوریٰ میں سے طفیل صاحب کے سوا شاید کسی نے بھی آپ کی علیحدگی کی یہ وجہ معقول تسلیم نہیں کی، کیونکہ رپورٹ میں صرف آپ پر ہی الزامات نہیں تھے بلکہ اکثر ارکانِ شوریٰ پر بھی تھے۔ یہاں تک کہ خود جائزہ کمیٹی کے ارکان پر بھی تھے، اس وجہ سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا کہ امارت کا عہدہ سنبھال لیتا تو وہ سوال نہ پیدا ہوتا جو آپ کی امارت کی صورت میں پیدا ہوتا۔ اس وجہ سے شوریٰ کی اکثریت اور بھاری اکثریت نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اب صورتِ حال جیسی کچھ بھی ہے اس کا سب مل کر مواجہہ کریں اور یہ کام آپ کی رہنمائی ہی میں ہو۔ خوش قسمتی سے آپ نے شوریٰ کا یہ نقطۂ نظر تسلیم کر لیا اور تعطل دور ہو گیا۔

شوریٰ کو ایک غلط نتیجہ پر پہنچ جانے دینے کے لئے آپ نے جو عذر پیش کیا ہے اس کا ایک حصہ تو صحیح ہے کہ جماعت میں تفریق کا اندیشہ تھا اور یہ چیز فی الواقع ایسی تھی جس سے جماعت کو بچانا ضروری تھا، لیکن میں یہ سوال ضرور کروں گا کہ جن نتائج پر شوریٰ پہنچی کیا وہ آپ کے نزدیک اتنے مہلک اور غلط ہیں کہ شوریٰ کے ختم ہوتے ہی آپ نے نہ صرف شوریٰ کے فیصلہ کو الٹ دیا بلکہ ایک سازش کا مفروضہ کھڑا کر کے سارے آئین و قانون کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی اور جس تفریق کے اندیشہ سے آپ نے اس فیصلہ کو قبول کیا تھا، اسی تفریق کا دروازہ اس سے زیادہ وسیع پیمانے پر کھول دیا؟

ذرا سوچیئے تو کہ شوریٰ کی قرارداد میں ایسی کون سی ہلاکت چھپی ہوئی ہے جس کے خطرہ نے آپ کو اتنے بڑے اقدام پر آمادہ کر دیا؟ کیا یہ خطرہ کہ انتخابی سرگرمیوں میں سردست آپ حصہ نہ لیں گے بلکہ زیادہ زور تعمیری کاموں پر صرف کریں گے؟ اگر اس وقت انتخابی سرگرمیوں سے صرفِ نظر کر کے تعمیری پروگرام پر زور لگائیں گے تو آخر جماعت تباہ کیوں ہو جائے گی؟ کیا انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینا اور وہ بھی اس مرحلہ میں کوئی دین کے واجبات میں سے ہے؟ کیا تعمیری جدوجہد آپ کے نزدیک انتخابات کے لئے میدان ہموار نہیں کرے گی؟ کیا لوگ موجودہ قیادت کو آپ کی قیادت سے بدلنے کے لئے اتنے بے تاب و بے قرار ہیں کہ اگر آپ نے میدان میں اترنے میں دیر لگائی تو کفر بازی لے جائے گا اور اسلام ہار جائے گا؟ موجودہ حالات میں اگر آپ انتخابات لڑیں گے اور اپنے اصولوں پر قائم رہ کر لڑیں گے تو میرا خیال ہے اور آپ کے تمام اہل الرائے رفقاء اس خیال سے متفق ہیں کہ شاید اس سے بھی برا حشر ہو جو

پنجاب کے انتخاب میں ہو چکا ہے اور اگر آپ دو ایک سیٹوں پر کہیں کامیاب بھی ہوں گے تو شاید اپنے شائع کردہ اصولوں کی اس سے بھی زیادہ قربانی دینی پڑے گی جتنی دو سیٹوں کے لیے بہاول پور میں دینی پڑی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ آخر شوریٰ کی اس تجویز میں وہ کیا خطرناکی ہے جس کے اندیشہ سے آپ نے یہ اقدام کر ڈالا؟ اس قرار داد کا بڑا حصہ آپ کا اپنا مرتب کردہ ہے صرف انتخابی سرگرمیوں سے متعلق حصہ ایسا ہے جس کے الفاظ اس کمیٹی کے تجویز کردہ ہیں، جو غالباً آپ ہی کے ایما پر شوریٰ کے دونوں نقطہ ہائے نظر کے وکیلوں پر مشتمل بنی تھی اور ردّ و قدح کے بعد آپ نے بھی ان الفاظ کو قبول کیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور ساتھ ہی اس پورے گروپ نے اس کو قبول کیا جو انتخابی سرگرمیوں ہی کو اب کُل دین بنائے بیٹھا ہے۔

شوریٰ کی اس قرار داد میں لٹریچر کے حجت ہونے اور نہ ہونے سے متعلق جو شق ہے وہ محض آپ کی خواہش پر رکھی گئی اور اس سے آپ کا مقصود درحقیقت ان لوگوں سے جان چھڑانا تھا جو ہمارے ہی لٹریچر کا آئینہ ہمارے سامنے پیش کر رہے تھے اور ہم اس میں اپنے چہرے دیکھنے سے گھبراتے تھے۔ اس چیز کا مطالبہ نہ جائزہ کمیٹی نے کیا تھا نہ ان کے ہم نواؤں نے لیکن یہ عجیب ستم ہے کہ اب اس شق کو بھی آپ کی مظلومیت کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے کہ دیکھو جائزہ کمیٹی والوں نے مولانا مودودی کے لٹریچر کو بھی مردود قرار دے دیا۔

بہرحال میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ آخر اس تجویز نے وہ کیا خطرہ پیدا کر دیا تھا جس سے بچاؤ کے لئے ضروری ہو گیا کہ جماعت اسلامی کا امیر ایک آمرِ مطلق کی تلوار سنبھال لے! میں انتخابات کے معاملہ میں کبھی یہ نہیں سمجھا تھا کہ اب آپ کے نزدیک بھی جماعت اسلامی کا مرنا اور جینا اسی کے لیے ہے۔ رہی نظریات کی کش مکش تو کم از کم اس قرار داد کے اندر تو اس کا کوئی جرثومہ موجود نہیں ہے۔ یہ تو جماعت کی تمام سابقہ پالیسی کی واضح الفاظ میں تصدیق کرتی ہے۔ صرف تدابیر کی بعض غلطیوں کو تسلیم کرتی ہے اور وہ بھی تردد کے ساتھ۔

۶۔ شوریٰ کے اس اجلاس میں جن لوگوں نے آپ کی حمایت میں ایک سرکاری پارٹی کا پارٹ ادا کیا، ان کی صفائی میں آپ نے فرمایا ہے کہ یہ جائزہ کمیٹی اور اس کے حامیوں کی جتھہ بندی کا ردِعمل تھا۔ میں اس کو بھی واقعہ کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کے خلاف ایک پارٹی شوریٰ کے اندر اور باہر پہلے ہی سے موجود تھی اور اس کی قیادت کی زمام خود مرکز کے ہاتھ میں تھی۔ میرے لئے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس کو خود آپ کی آشیرباد حاصل تھی لیکن جائزہ کمیٹی

کے ساتھ آپ کا رویہ چونکہ شروع ہی سے غیر ہمدردانہ رہا، اس لئے یہ پارٹی جرأت کیساتھ جائزہ کمیٹی کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتی رہی۔ بدقسمتی سے جب رپورٹ سامنے آئی تو معلوم نہیں کیوں آپ نے اس کو اپنے خلاف ایک چارج شیٹ سمجھ لیا۔ آپ کے اس تأثر کا سامنے آنا تھا کہ وہ سارے لوگ جو آپ کی خواہش کے خلاف کسی چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتے' ایک پارٹی کی شکل میں رپورٹ کی مخالفت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ میرے نزدیک اس طرح جماعت اسلامی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جماعت کے اندر جماعتیں بننے کا آغاز ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر اس چیز کو اسی وقت نہ روکا گیا تو جماعت اور تحریک بڑے بُرے انجام سے دوچار ہوگی لیکن اسی کے ساتھ مجھے اس امر میں بھی اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس چیز کو روکنے کے لئے آپ نے جو الٹا قدم اٹھایا ہے اس نے جماعت اور تحریک کو اس برے انجام سے دوچار کر دیا ہے اور اب خدا ہی ہے کہ جو جماعت کو اس انجام بد سے بچا سکتا ہے۔

۷۔ اس میں شبہ نہیں کہ شوریٰ کی قرارداد جہاں تک اس کے اس حصہ کا تعلق ہے جو جماعت کی پالیسی کے بارے میں رہنمائی دیتی ہے ایک مصالحتی فارمولے پر مبنی ہے۔ اس فارمولے کے متعلق آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ایک جتھہ نے اپنی شدت، ہٹ اور مشترک کوشش بلکہ جماعت میں تفرق پیدا ہو جانے کے خطرہ کا دباؤ ڈال کر آپ کو اور شوریٰ کے بقیہ ارکان کو اس کے ماننے پر مجبور کیا اور اس طرح گویا جماعت کی تاریخ میں مصالحتی فارمولے کی بدعت شروع ہوئی۔ اسکے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ اگر ضد اور ہٹ اور جتھہ بندی سے آپ کی مراد شوریٰ کے دونوں گروہوں کا اپنے اپنے نقطۂ نظر پر اصرار ہے تو یہ چیز بلاشبہ موجود تھی اور اگر یہ چیز کوئی جرم ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اس جرم میں دونوں گروپ برابر کے شریک ہیں۔ اب ایسی صورت میں کیا ہوتا اور کیا کرنا ممکن تھا۔ فرض کر لیجئے کہ اسی گروپ کی بات مان لی جاتی جو یہ کہہ رہا تھا کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ نے حالات اور خرابیوں کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قابلِ اعتنا نہیں ہے، اگر صحابہ رضؓ کے زمانہ میں بھی کوئی جائزہ کمیٹی بیٹھتی تو وہ بھی اسی طرح کی رپورٹ پیش کر دیتی جس طرح کی رپورٹ جائزہ کمیٹی نے پیش کی ہے، اس وجہ سے جو کچھ ہو رہا ہے وہی کرتے رہنا چاہیئے، اس وقت اصل کام انتخابات کا ہے نہ کہ تعمیر سیرت و تطہیر اخلاق کا، تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا؟ باہر اس کا جو نتیجہ نکلتا وہ نکلتا مگر دستور ساز کے اندر اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آپ کی شوریٰ کے اہل الرائے کی اکثریت یا تو اس نقطۂ نظر کو قبول نہ کرتی یا قبول کرتی تو سخت بددلی کے ساتھ۔ اس پالیسی کو

قبول کرنے کے لئے صرف جائزہ کمیٹی کے ارکان ہی تیار نہیں تھے بلکہ باقر خاں صاحب، صادق صاحب، وصی مظہر صاحب، مولانا عبدالحق صاحب اور چودھری عبدالحمید صاحب میں سے کوئی صاحب بھی تیار نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ چودھری غلام محمد صاحب بھی اپنی تقریر میں انتخابات اور انقلابِ قیادت کے بارے میں اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر چکے تھے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اگر ان لوگوں کی بات نہ مانی جاتی تو یہ سب جماعت کو چھوڑ جاتے لیکن جس پالیسی پر شوریٰ کے ایسے ارکان غیر مطمئن تھے آخر یہ پالیسی کن لوگوں کے بل پر چلتی اور اگر چلتی تو بتایئے کہ وہ کس انجام تک پہنچتی؟ ایسی صورت میں جن لوگوں نے مصالحتی فارمولے کی سوچی، میرے نزدیک تو وہ جماعت کے بڑے ہی خیر خواہ تھے اور انہوں نے ایک مصالحتی فارمولا تلاش کر کے جماعت کو ایک بڑے خطرہ سے نکال لیا، اور آپ نے بھی بڑی ہی دانش مندی کا کام کیا تھا کہ اس کو مان لیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کو مان لینے اور منوا لینے اور شوریٰ کے اختتام پر اس کی کامیابی کی دعا کر چکنے کے بعد اب آپ اس کو جماعتِ اسلامی کی بدقسمتی کا آغاز سمجھتے ہیں اور جماعت کو اس کی ہلاکتوں سے بچانے کے لئے آپ نے اور بعض ان حضرات نے جہاد کا اعلان کر دیا ہے جو نہ صرف اس فارمولے کو ماننے والے رہے ہیں بلکہ اس کی تصنیف میں بھی انہوں نے بسلامتیِ ہوش و حواس حصہ لیا تھا ——————

— مصالحتی فارمولے کا ذکر آپ نے کچھ ایسے انداز سے فرمایا ہے گویا جماعت کی تاریخ میں یہ کوئی بہت بڑی بدعت ہوئی ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ہے، حالانکہ مصالحتی فارمولا خصوصاً تدابیر کے معاملہ میں، نہ کوئی کفر و بدعت ہے نہ ہماری شوریٰ کی تاریخ میں کوئی نئی بات ہے۔ ہم ہمیشہ سے جس طریق پر گامزن رہے ہیں وہ یہی ہے کہ شوریٰ میں متفقہ فیصلہ کر کے اٹھتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے یہاں کوئی اختلافِ رائے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جب کبھی شوریٰ میں کسی مسئلہ پر موثر اختلافِ رائے محسوس کیا جاتا تھا تو کسر و انکسار کے اصول پر اس اختلاف کو تجاویز میں سمونے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ مصالحتی فارمولے کی اصلی روح یہی ہوتی ہے اور یہی اس مرتبہ بھی ہوا۔ اگر اس چیز سے جماعت اس سے پہلے نہیں تباہ ہوئی تو اب کیوں اس پر قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ شوریٰ کا یہ اجلاس کوئی دن دو دن نہیں رہا بلکہ

پورے پندرہ روز اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ اس فارمولے کے تمام امکانات و مضمرات آپ کے سامنے تھے۔ میں اس دوران میں بار بار آپ سے یہ عرض کرتا رہا کہ اگر انتخابات کے بارے میں اس وقت صرفِ نظر کی پالیسی اختیار کر لی جائے تو اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اور آپ نے مجھ سے ہر بار یہی فرمایا کہ انتخابات کا معاملہ ایسا کیا معاملہ ہے کہ جس سے صرفِ نظر نہ کیا جا سکے۔ اس فارمولے کے بنانے والے چودھری غلام محمد صاحب، نعیم صدیقی صاحب، سلطان احمد صاحب، باقر خاں صاحب اور غالباً وصی مظہر صاحب ہیں۔ جب اس کمیٹی نے شوریٰ کے سامنے یہ فارمولا پیش کیا تو تھوڑی سی بحث کے بعد آپ نے اور دوسرے سب لوگوں نے اس کو مان لیا۔ اگر یہ فارمولا جماعتِ اسلامی کی بدقسمتی کا آغاز تھا تو اسی وقت آپ نے فرما دیا ہوتا کہ میں ایک فرض شناس امیر کی حیثیت سے اس بدقسمتی کا آغاز کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں لیکن اس وقت تو آپ نے اس کا آغاز فرمانا منظور کر لیا اور اپنی فرض شناسی آپ کو یاد نہ آئی، لیکن جب ارکان کو اتحاد و اتفاق کی تلقین، اور دعا و درود کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے تو آپ کو اپنی فرض شناسی یاد آئی۔ جماعت کی تاریخ میں مصالحتی فارمولوں کی مثالیں تو مجھے ملتی ہیں، لیکن امیر کی فرض شناسی کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی فرض شناسی کی مثال شاید ہی کوئی امیر یا وزیر پیش کر سکے۔ آپ کے اصحاب میں سے جو لوگ جماعتی زندگی کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتے، جن کے نزدیک جماعتِ اسلامی نام ہی آپ کی ذات کا ہے ان کو تو میں کچھ کہنا بے فائدہ سمجھتا ہوں لیکن آپ کی اس قلابازی نے معاف کیجئے میرے اس حسنِ ظن کو بڑا ہی نقصان پہنچایا ہے جو میں آپ سے رکھتا تھا۔

۸۔ یہ ساری تمہید استوار کرنے کے بعد آپ جائزہ کمیٹی پر وہ فردِ جرم عائد کرتے ہیں جس کے تحت آپ کو امیرِ جماعت ہونے کی حیثیت سے، اس کے ارکان کو سخت سے سخت سزا دینے کا حق حاصل ہو سکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں یہ رائے تو قطعاً نہیں رکھتا بلکہ مجھے اس کا شبہ بھی نہیں ہے کہ جائزہ کا یہ پورا کام اور مجلسِ شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا۔ لیکن میرا احساس یہ ہے کہ اس سے عملاً وہی نتائج برآمد ہوئے ہیں جو ایک دانستہ سازش سے برآمد ہو سکتے تھے۔ میں جب آپ کی لکھی ہوئی ان سطروں کو پڑھتا ہوں تو سب سے پہلا اثر اس کا جو مجھ پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے ان جبّاروں

اور ڈکٹیٹروں کے خلاف میرا غصہ بہت کم ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنے نہایت وفادار ساتھیوں پر سازشوں کے الزام لگائے اور ان کو دار پر کھینچا۔ اگر آپ محض اختلافِ رائے کی بنا پر سلطان احمد صاحب، مولانا عبد الغفار حسن صاحب، غازی عبد الجبار صاحب اور عبد الرحیم اشرف صاحب جیسے لوگوں پر سازش کا الزام لگا سکتے ہیں تو دنیا کے دوسرے ڈکٹیٹروں نے اگر اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے اخلاق اور سیرت کے لحاظ سے ہمارے مذکورہ رفیقوں سے کہیں کم تر درجے کے لوگوں پر سازشوں کے الزام لگائے تو میرے نزدیک کوئی بڑا گناہ نہیں کیا۔

آپ کہیں گے کہ میں نے ان پر دانستہ سازش کا الزام تو نہیں لگایا بلکہ یہ کہا ہے کہ انہوں نے جو کام کیا ہے اس سے نتائج وہ برآمد ہوئے ہیں جو ایک دانستہ سازش کے ہوتے ہیں لیکن یہ کہنے سے نہ صرف یہ کہ ان پر لگائے ہوئے الزام میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ اس سے سازشوں کا ایک نیا فلسفہ ہمارے سامنے آتا ہے جو اس سے پہلے کسی کو نہیں سوجھا تھا۔ اب تک تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ سازش وہی ہوتی ہے جو سازش کے ارادہ سے کی جاتی ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ نہیں سازش صرف وہی نہیں ہے جو سازش کے ارادہ کیساتھ کیجائے بلکہ ہر وہ کام سازش ہے جو خواہ کتنے ہی نیک ارادوں کیساتھ کیا جائے لیکن اس کا نتیجہ ہماری خواہش کے خلاف نکلے اگر ایسا ہو تو ہم اس کو سازش قرار دے کر اس کے مرتکب کو وہی سزا دے سکتے ہیں جو ایک سازشی کو دی جا سکتی ہے۔ اگر یہ فلسفہ آپ سے پہلے دوسروں کو بھی معلوم ہوتا تو اپنے سے مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کو سزا دینے کے معاملہ میں وہ بہت سی قانونی موشگافیوں سے بچ جاتے۔ وہ بھی آسانی سے یہ کہہ سکتے کہ فلاں نے اگرچہ فلاں کام سازش کے ارادے سے نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ اس کے فعل کا نتیجہ وہی نکلا ہے جو ایک سازش سے بھی نکل سکتا ہے، اس لئے یہ سازش ہے اور اس لئے یہ سازش کی سزا کا مستحق ہے۔ معلوم نہیں سازش کے اس فلسفہ کا ماخذ اسلام میں کیا ہے؟

لیکن محض آپ کے اتنے کرم سے ان بے چاروں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ آپ ان کو دانستہ سازش کرنے والا نہیں قرار دیتے۔ جب کہ بہت سے ایسے کام انہوں نے آپ کے خیال میں دانستہ کئے ہیں جو بالآخر اس سازش پر منتج ہوئے ہیں مثلاً آپ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے مندرجہ ذیل جرائم دانستہ کئے ہیں:-

* ایک یہ کہ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ وہ ایک ہی طرح کے غیر مطمئن لوگ ہیں، لیکن انہوں نے اس کو راز رکھا نہ آپ کو اس سے آگاہ کیا اور نہ شوریٰ کے ارکان کو۔
* دوسرا یہ کہ انہوں نے مجلسِ شوریٰ کے تجویز کردہ حدودِ کار سے تجاوز کیا۔ خود اپنے حدودِ کار کو وسیع کر لیا اور ان امور کی تحقیقات اپنے ذمہ لے لی جن کی وہ خود تحقیقات کرنا چاہتے تھے

* تیسرا یہ کہ انہوں نے مجلس شوریٰ میں ایسے حالات پیدا کیے جن میں دوسرا رکنِ شوریٰ تو درکنار، امیرِ جماعت بھی خود اپنی رائے آزادی کے ساتھ ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔
* چوتھا یہ کہ انہوں نے ساری تحقیقات ایک مخصوص نقطۂ نظر سے کی اور اپنی رپورٹ میں جماعت کی صرف یک رخی تصویر پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سارے مواد کو اس طرز پر مرتب کیا کہ جن انتہائی نتائج تک وہ مجلسِ شوریٰ کو پہنچانا چاہتے تھے ان کی تائید اس پورے مواد سے حاصل ہو۔
* پانچواں یہ کہ انہوں نے جتھہ بندی کرکے آپ کے لئے ایسے حالات پیدا کئے کہ امیرِ جماعت کے فرائض انجام دینے کے بجائے آپ بعض مخصوص لوگوں کے آلۂ کار اور ان کے اشاروں پر چلنے والے بن کر رہیں۔
* چھٹا یہ کہ ان لوگوں نے آپ کو مجبور کر دیا کہ آپ مجلسِ شوریٰ کو ان غلط نتائج پر پہنچ جانے دیں جن پر یہ حضرات اپنی جتھہ بندی کے ذریعے سے مجلسِ شوریٰ کو پہنچانا چاہتے تھے۔
* ساتواں یہ کہ ان لوگوں نے اپنی ضد، بے جا اصرار، شدت اور جتھہ بندی کے زور سے مجلسِ شوریٰ کے اندر آپ کے حامیوں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ایک مخالف پارٹی کی حیثیت سے نمایاں ہوں۔
* آٹھواں یہ کہ اپنی بات منوانے کے لئے مجلسِ شوریٰ میں آنے سے پہلے انہوں نے جماعت کے فراہم کئے ہوئے موقع سے فائدہ اٹھا کر پوری جماعت میں اپنے ہم خیال لوگ ڈھونڈے، ان کا ایک جتھہ بھی شوریٰ کے باہر تیار کیا، ان کے انفرادی خیالات و نظریات کو جمع کرکے ان کا ایک مقدمہ بنایا، اس مقدمہ کی پشت پر جماعت کے ان سارے لوگوں کی شکایات و اعتراضات کو جمع کیا جن کے وہم و گمان میں بھی اس خاص مقدمہ کو مضبوط کرنے کا تخیل نہ تھا۔ پھر اس سارے سرو سامان سے لیس ہو کر یہ حضرات یکایک مجلسِ شوریٰ کے سامنے ایک پارٹی کی صورت میں نمودار ہوئے اور پوزیشن یہ اختیار کی کہ ان کے نظریات صرف انہی کے نظریات نہیں ہیں بلکہ باہر غیر مطمئن لوگوں کی ایک کثیر تعداد ان کی پشت پر ہے، لہٰذا یہ مجلسِ شوریٰ اسی راستہ پر چلے جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہیں ورنہ جماعت میں ایک بڑی پھوٹ پڑ کر رہے گی۔

یہ آٹھ جرائم تو انہوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق دیدہ و دانستہ اور بسلامتیٔ ہوش و حواس کئے ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس کے بعد یہ فیصلہ دینے میں کیوں ہچکچائے کہ جائزہ کمیٹی کا یہ سارا کام اور مجلسِ شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا۔

غالباً آپ نے یہ خیال فرمایا ہوگا کہ آپ کے ان واضح مقدمات کے بعد جب ایک غبی سے غبی آدمی بھی اس نتیجہ تک خود بخود پہنچ جائے گا تو آخر اس نتیجہ کو ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صاف صاف بات کہنے کے بجائے کیوں نہ لگے ہاتھوں احتیاط اور تقویٰ کا بھی کچھ مظاہرہ کر دیا جائے۔

بہرحال میرے نزدیک یہ ایک غیر مبہم حقیقت ہے کہ آپ نے جائزہ کمیٹی کے ارکان پر ایک منظم سازش کا الزام لگایا ہے اور یہ سازش ایسی منظم تھی کہ اس کے جال میں نہ صرف شوریٰ کے بعض ارکان پھنس گئے بلکہ پوری شوریٰ امیر سمیت ایک ایسے فیصلہ پر اپنے انگوٹھے ثبت کرنے پر مجبور ہو گئی جو آپ کے نزدیک جماعت کو تباہ کرنے والا ہے۔

میں جب آپ کی دی ہوئی روشنی میں اس سارے معاملے پر غور کرتا ہوں تو آپ کا کیس یہ بنتا ہے کہ درحقیقت اس گمراہی کے فیصلہ کے لئے کچھ لوگوں نے تو سازش اور جتھہ بندی کی اور کچھ اس سازش اور جتھہ بندی سے مجبور ہو گئے۔ خود آپ اپنے آپ کو اس دوسرے گروہ میں شامل سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے میرے نزدیک صحیح صورت، دستور کے بموجب یہ تھی کہ آپ پھر شوریٰ کا اجلاس بلاتے اور اس کے سامنے اپنا یہ نقطۂ نظر رکھتے اور اس ساری سازش کا پردہ چاک کرتے تاکہ ارکانِ شوریٰ صحیح روشنی میں سارے معاملہ پر نظرثانی کرتے اور ان لوگوں کو سزا دیتے جو ان کو گمراہ کرنے کے لئے اس سازش کے مرتکب ہوئے تھے۔ اگر خدانخواستہ شوریٰ اسی طرح پھر گمراہ ہو جاتی جس طرح پہلی مرتبہ ہو گئی تھی تو پھر آپ کے لئے دوسرا راستہ، دستور کی رُو سے، یہ تھا کہ آپ ارکان کا اجتماعِ عام بلاتے اور وہاں شوریٰ کے خلاف اپنا مقدمہ پیش کرتے اور شوریٰ کو اس کا موقعہ دیتے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے۔ اس کے بعد اگر ارکانِ جماعت شوریٰ کے حق میں فیصلہ دیتے تو آپ مستعفی ہو جاتے اور اگر آپ کے حق میں فیصلہ دیتے تو شوریٰ مستعفی ہو جاتی اور آپ دوسری شوریٰ کا انتخاب کرا لیتے۔ میرے نزدیک معاملہ کے طے کرنے کا آئینی اور باعزت طریقہ یہ تھا۔ شوریٰ کے جس فیصلہ کے خلاف آپ نے یہ اقدام کیا ہے، وہ جن حالات میں بھی ہوا ہے بہرحال بالاتفاق ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہ معلوم کرنا ابھی باقی ہے کہ اپنی مجبوری اور بے بسی کا جو شکوہ اس فیصلہ کو مان چکنے کے بعد آپ کر رہے ہیں اور اس کا جو پس منظر آپ بنا رہے ہیں اس سے دوسرے ارکانِ شوریٰ بھی متفق ہیں یا نہیں؟

لیکن یہ معتدل اور آئینی طریقہ اختیار کرنے کے بجائے آپ نے یہ راستہ اختیار کیا کہ جائزہ کمیٹی کے چار ارکان کو یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنے استعفے لکھ کر بھیج دیں ورنہ آپ ان کے متعلق حلقوں

کو یہ لکھ دیں گے کہ اگر وہ آپ سے امارت کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو وہ اپنے ان نمائندوں کو واپس لے کر دوسرے نمائندے منتخب کریں اور ان کے بقیہ ہم خیالوں کو یہ دھمکی دے دی کہ آپ ان سے بعد میں نمٹیں گے۔

میں حیران ہوں کہ آپ کسی رکنِ شوریٰ سے کس حق کی بنا پر یہ مطالبہ کرسکتے ہیں کہ وہ شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دے۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے کوئی سازش کی ہے یا کسی سازش کا شکار ہوا ہے تو یہ ایک الزام ہوا جو آپ کی طرف سے اس پر لگایا جا رہا ہے۔ یہ الزام کسی موزوں جماعتی عدالت میں ثابت کیے بغیر کس طرح آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ اس کو نہ صرف یہ کہ مجرم بنا ڈالیں بلکہ اس کو سزا بھی دے دیں اور پھر اس سے یہ مطالبہ بھی کریں کہ وہ آپ کے حکم سے خود پھانسی کا پھندا اپنی گردن میں ڈال لے۔

آپ کسی حلقہ کے لوگوں کے سامنے ان کے نمائندے کا معاملہ اگر پیش کرسکتے ہیں تو یا تو اس حیثیت سے پیش کرسکتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی الزام ثابت ہو چکا ہے اس لیے وہ اس کو واپس بلالیں یا اس حیثیت سے پیش کرسکتے ہیں کہ اس کے خلاف آپ کو کوئی شکایت ہے جس کی حلقہ والوں کو تحقیق کرنی ہے اور پھر اس پر فیصلہ دینا ہے۔ پہلی صورت یہاں موجود نہیں تھی، اور دوسری صورت میں یہ ضروری تھا کہ آپ تحقیق اور فیصلہ دونوں اُن پر چھوڑتے۔ لیکن آپ نے یہ کیا ہے کہ ایک فیصلہ بھی پہلے ہی سے کر کے ان پر لاد دیا ہے جس کو اگر وہ نافذ نہ کریں تو آپ استعفیٰ دے دیں گے۔ آخر کس حلقہ کے لوگوں کی شامت آئی ہوئی ہے کہ وہ ایک رکنِ شوریٰ کی خاطر امیرِ جماعت کو مستعفی ہونے پر مجبور کرنے کا خطرہ مول لیں۔ آپ کا یہ کہنا بھی ایک بالکل ہی بے معنی بات ہے کہ لوگوں کو اپنے حلقہ والوں کے سامنے صفائی پیش کرنے کا پورا حق ہوگا۔ جب حلقہ والے اپنے فیصلہ میں آزاد نہیں ہیں تو اُن کے سامنے صفائی پیش کرنے سے کیا حاصل؟ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی حلقہ والوں کو اپنا منتخب کردہ نمائندہ* [* اس کو کسی وقت بھی واپس بلانے کا] حق ایک معقول حق ہے۔ لیکن یہ ایک بالکل مختلف بات ہے اس بات سے کہ آپ کسی حلقہ کے نمائندے کو واپس کر دیں کہ یہ سازشی ہے، درآنحالیکہ آپ نے اس کی سازش کسی جماعتی عدالت میں ثابت نہیں کی ہے۔

آپ کے قیم جماعت نے اپنی معروف سادگی کے ساتھ فرمایا تھا کہ اگر کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ بھئی آپ کو شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دینا چاہیئے تو جماعتی مزاج کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ استعفیٰ دے دیں۔ میں نے ان سے کہا کہ عام حالات میں تو یہ ہو سکتا ہے لیکن اگر

آپ کسی رکن شوریٰ سے یہ کہیں کہ تم سازشی ہو اس لئے شوریٰ کی رکنیت سے استعفےٰ دے دو ورنہ ہم تمہارے حلقہ والوں سے مطالبہ کریں گے کہ تم کو واپس بلا لیا جائے تو وہ آپ سے ضرور پوچھے گا کہ حضرت میرے سازشی ہونے کا ثبوت کیا ہے ؟

پھر جائزہ کمیٹی کے ارکان کا معاملہ الگ الگ چار انفرادی ارکان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک کمیٹی کا معاملہ ہے جس نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو ایک کمیٹی کی حیثیت میں کیا ہے ۔ ایک جرم جو مشترک نوعیت سے کیا گیا ہے اس کے مجرموں کو الگ الگ عدالتوں میں بھیج کر ان کے مقدمہ کی سماعت کرانے کا طریقہ ایک نرالا طریقہ ہے اور غالباً سب سے پہلے اس کا تجربہ جماعت اسلامی ہی کرے گی ۔

جائزہ کمیٹی کے ارکان میں سے دو غیر علاقائی ارکان ہیں ۔ آخر ان غیر علاقائی ارکان کے معاملہ کو حلقہ وار اجتماعات میں رکھنے کا کیا تُک ہے ؟ اگر ان کا معاملہ پیش ہو سکتا ہے تو ارکان کے اجتماعِ عام میں، اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش ہو ۔

بہرحال میں اس معاملے پر جس پہلو سے بھی غور کرتا ہوں، کم از کم میری سمجھ میں تو آتا نہیں ۔ اب تو صورت گویا یہ بنی کہ جو شخص شوریٰ کا رکن بنے وہ اگر چاہے تو ادب سے آپ کی خدمت میں کوئی گزارش کر دیا کرے لیکن اگر اس نے اپنی رائے پر اصرار کیا یا آپ پر کوئی اعتراض اٹھایا یا اپنے زورِ استدلال سے کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گیا تو آپ اس سے خود استعفےٰ وصول کر لیں گے ورنہ اس کے حلقہ والوں کو لکھ دیں گے کہ اگر میری امارت چاہتے ہو تو اس سازشی کو واپس بلا لو اگر یہی جمہوریت و شورائیت ہے تو اس کا درس بہت اچھی طرح مسولینی، ہٹلر اور اسٹالین دے گئے ہیں اور مذہبی روپ میں مرزا بشیر الدین محمود دے رہے ہیں ۔ اس کے لیے قوم ہماری خدمات کی محتاج نہیں ہے ۔

آپ نے از راہِ عنایت ملزم ارکان کو یہ موقع عنایت فرمایا ہے کہ آپ ان کو حلقہ وار اجتماعات میں اظہارِ خیال کی آزادی دیں گے اور اگر وہ ارکانِ جماعت کی اکثریت کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو آپ قیادت ان کی طرف منتقل کر دیں گے ۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حلقہ وار اجتماعات میں آپ استعفےٰ کی دھمکی کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے تو جماعت کی اکثریت آپ ہی کا ساتھ دے گی ۔ بدقسمتی سے جماعت کا مزاج شروع ہی سے کچھ ایسا بنایا گیا ہے کہ

ہمارے بہت سے ارکان دلائل کے بجائے اشخاص کی روشنی میں مسائل کو دیکھتے ہیں ۔ یہ صورتِ حال ایک افسوسناک صورتِ حال رہی ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہیئے تھی، لیکن میں صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس صورتِ حال کی اصلاح کی جرات کی ان کا منہ برابر بند کرنے کی کوشش کی گئی اور اب تو کچھ عرصے سے یہ حال ہے کہ مرکز میں باقاعدہ یہ نظریہ بنا لیا گیا ہے کہ تحریکیں اپنے اصولوں کے بل پر نہیں چلا کرتی ہیں بلکہ شخصیت کے بل پر چلا کرتی ہیں ۔ چنانچہ اب جماعت کے سارے نظم و نسق کو اسی نظریہ کے تحت چلایا جا رہا ہے اور جو چیز بھی اس کے خلاف نظر آتی ہے ، شدت کے ساتھ اس کو روکا جاتا ہے ۔ میں غیر مبہم الفاظ میں یہ بات بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جائزہ کمیٹی اور شوریٰ کا فیصلہ نیز جائزہ کمیٹی کے ہم خیال ارکانِ شوریٰ کے خلاف آپ کا یہ تازہ اقدام بھی اسی نظریہ کا ایک مظہر ہے ۔ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے غالباً پہلی مرتبہ آپ کو یہ احساس ہوا کہ جماعت میں اب بہت سے لوگ ان خرابیوں کو محسوس کرنے لگے ہیں جو مرکز کے غلط رجحان کے سبب سے پیدا ہو چکی ہیں اور شوریٰ میں غالباً پہلی مرتبہ آپ کو یہ تجربہ ہوا کہ شوریٰ کے اہل الرائے ان خرابیوں کی اصلاح کی ضرورت کو اس شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے ہیں کہ آپ کے استعفےٰ کی دھمکی کے باوجود بھی وہ اصلاح کی ضرورت کے قائل ہیں ۔ اس چیز نے آپ کو گھبرا دیا ۔ لیکن شوریٰ میں آپ نے دیکھ لیا کہ استعفےٰ کی دھمکی سے بھی لوگوں کو دبایا نہیں جا سکتا ۔ اس وجہ سے اس وقت تو آپ شوریٰ کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے لیکن شوریٰ کے ختم ہو جانے کے بعد آپ نے یہ محسوس کیا کہ گربہ کشتن روز اول باید ، اگر یہ رجحان ترقی کر گیا تو پھر اس کا روکنا ناممکن ہوگا ۔ چنانچہ اس کو روکنے کے لئے ایک قدم تو خاص مرکز کی قیادت میں یہ اٹھایا گیا کہ جماعتوں کے مقامی اجتماعات میں ایک مفروضہ سازش کا فسانہ اور آپ کی مظلومی اور بے کسی کا دکھڑا سنا سنا کر ارکانِ جماعت کو شوریٰ کی قرارداد کے خلاف خوب اکسایا گیا تاکہ حلقہ وار اجتماعات سے پہلے جائزہ کمیٹی ، شوریٰ کی قرارداد اور جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کی تائید کرنے والے ارکانِ شوریٰ کے خلاف فضا خوب گرم ہو جائے ، اور دوسرا قدم آپ نے اپنے فرمان کی صورت میں اٹھایا تاکہ ان تمام ارکانِ شوریٰ کی سرکوبی کی جائے ، جنہوں نے آپ کے حضور میں جرأت کے ساتھ اظہارِ رائے کی گستاخی اور شدت کے ساتھ اصلاح حال کا مطالبہ کیا ۔ (آگے دیکھیے صفحہ ۲۸ پر)

★

''...... آپ کی تالیف لطیف ۵ جولائی کو موصول ہوئی ، یعنی ڈیڑھ ماہ کے بعد۔ پوری کتاب، دو تین نشستوں میں مطالعے سے گزر گئی...... آپ کے ''اشارات''[1] دوبارہ پڑھنے کا ارادہ ہے، ...... صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات ہو چکی ہے کسی دن ان کے مکان پر جانا ہوا تو کتاب حاصل ہو سکے گی اور ''اشارات'' پر دوبارہ غور و فکر کے بعد کسی رائے کا اظہار کر سکوں گا انشاءاللہ ......

آپ کے ''میثاق'' کی ادارت سنبھالنے کی خوش خبری ...... صاحب نے ایک ماہ قبل دے دی تھی لیکن جولائی کا شمارہ مدینہ منورہ میں نہیں مل سکا ، یہاں آ کر نظر سے گزرا اور انتہائی مسرت ہوئی ، خدا کرے یہ نشاۃ ثانیہ پائدار اور مبارک ثابت ہو۔ وللآخرة خیر لک من الاولٰی ......

آپ کے مضمون 'حقیقت زندگی' سے ایک نکتہ ہاتھ لگا ۔ 'میثاق' جولائی ۶۶ء کے صفحہ ۴۹ پر آپ نے اس نکتہ پر مفصل بحث کی ہے ۔ ملاحظہ ہو تشریح آیت کیف تکفرون باللہ...... الآیہ صفحہ ۴۸، اور آیت واذ اخذ ربک...... الآیہ صفحہ ۴۹ ...... یعنی ''بلکہ جیسے بعد والی موت بجائے خود زندگی ہی کا ایک وقفہ ہو گی اسی طرح قبل والی موت بھی زندگی ہی کا ایک دور تھی ......''

(مولانا) عبدالغفار حسن
استاذ حدیث ، جامعہ اسلامیہ ، مدینہ منورہ
(حال وارد کراچی)

(۱) دیباچہ مراد ہے ۔

★

''...... یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ ''میثاق'' کی ادارت کی ذمہ داریاں حضرت مولانا نے آپ کے سپرد کر دی ہیں ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کی ادارت کے دور میں 'میثاق' انشاءاللہ تعالٰی ہر حیثیت سے ترقی کرے گا ......

میں نے جولائی کے شمارے میں 'زندگی' پر آپ کا مضمون بڑے شوق و ذوق سے پڑھا ۔ اس کے علاوہ کہ یہ مضمون 'زندگی' پر ایک ایسا تبصرہ ہے جس سے اسلامی نقطہ نظر سے زندگی یا حیات کی کافی حد تک تشریح ہو جاتی ہے اس میں ایک شان ادبیت بھی پائی جاتی ہے ۔ پورا مضمون بلیغ کنایات، لطف اشارات اور ایک کہنہ مشق انشا پرداز کے طرز بیان اور حسن ادا کا حامل ہے ...... :

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

یہ امر بھی باعث صد طمانیت ہے کہ حضرت مولانا اصلاحی صاحب مدظلہ کی سرپرستی 'میثاق' کو حسب سابق حاصل رہے گی اور ان کے رشحات قلم بدستور سابق شائع ہوتے رہیں گے، اگر ایسا نہ ہوتا تو رسالہ کی اہمیت یقیناً گھٹ جاتی جس کی تلافی باقاعدگیٔ اشاعت یا دیگر خارجی اوصاف میں اضافے سے ممکن نہ ہوتی ......''

اے ۔ ایم ۔ خان
لیکچرر پی ۔ بی ۔ کالج، پرتاپ گڑھ ۔ انڈیا

Regd. No. L. 7360.

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 12 | SEPTEMBER 1966 | No. 3

جماعتِ اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی ؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے ؟
- قیامِ پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا ؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعتِ اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ۔ ایم اے ۔ ایم بی بی ایس

سابق ناظمِ اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

- ضخامت ۔ ۳۲۶ صفحات
- سائز بڑا
- طباعت آفسٹ
- مجلد مع گردپوش
- قیمت ۔ ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ ، کرشن نگر ، لاہور

محی الدین پرنٹر پبلشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر دارالاشاعت الاسلامیہ ،
بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر لاہور ۔ ۱ سے شائع کیا